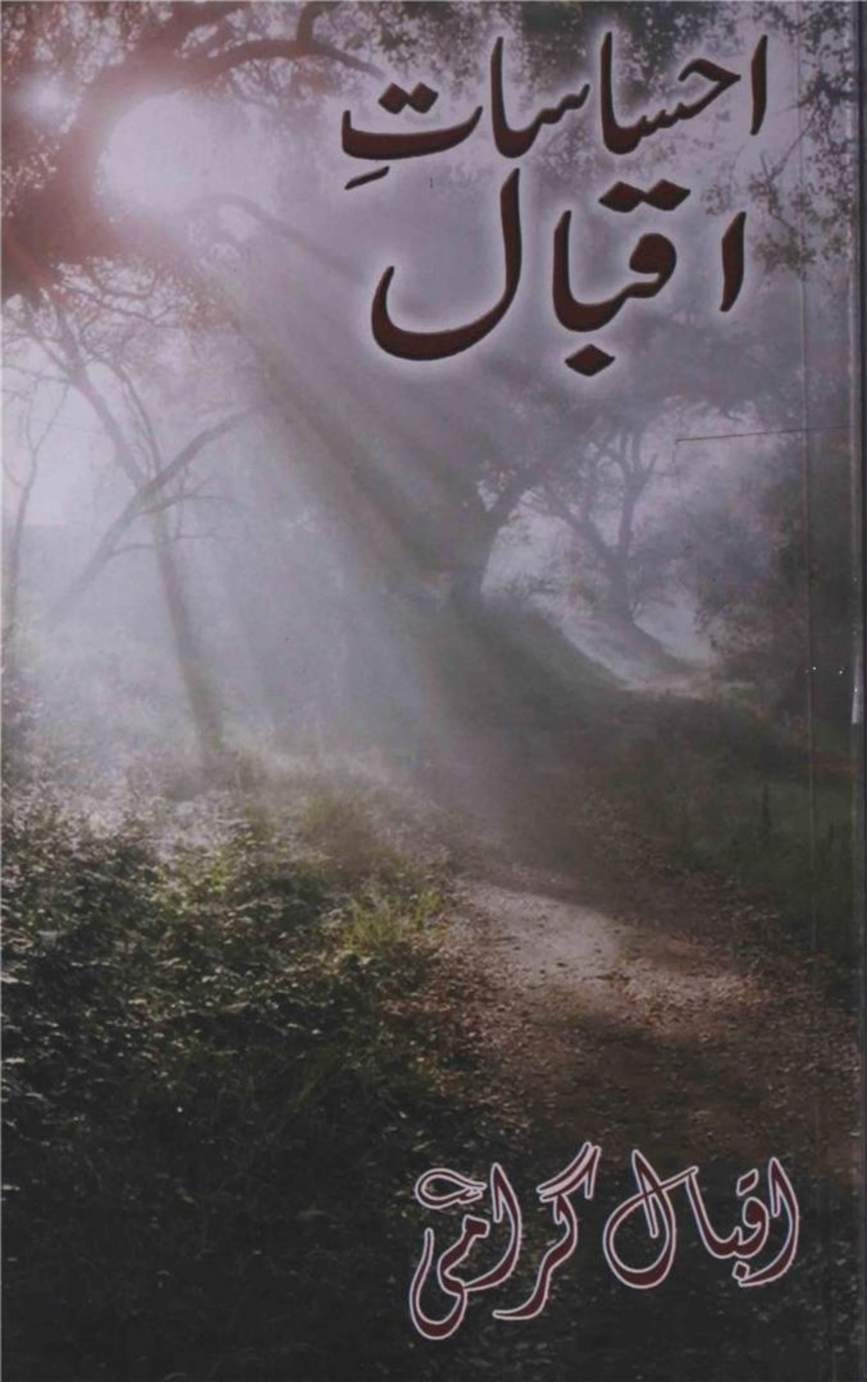
احساساتِ اقبال
اقبال گرامی

احساساتِ اقبال

اقبال گرامی

ہے لمحہ لمحہ صدی سا طویل تر میرا
یہ ایک مصرع ہے احوالِ مختصر میرا

اس صاعقہ مزاج کو عجلت تھی اس قدر
نام و پتہ تک اپنا بتا کر نہیں گیا

اُٹھ سی گئی ہے شہر سے رسمِ رفوگری
پھرتے ہیں لے کے چاک گریبان سب کے سب

نہ دیجئے اُسے زحمتِ آئینہ
نظر اپنی دولت ہے میرے عزیز

پھولوں سے پوچھتی ہے یہ کانٹوں کی بیکسی
احسانمندِ بادِصبا ہم ہوئے کہ تم

ہر چند کہ اقبال گرامی کا اساسی لہجہ حق بیانی اور ماحول کی ترجمانی کا ہے پھر بھی اُنکے ہاں عشقیہ مضامین اور ہجر و وصال کی کیفیات کا بیان بھی خوبصورت پیرائے میں نظر آتا ہے اور اس نوع کے اشعار آپکو پیشِ نظر مجموعہء کلام میں جگہ جگہ جگمگاتے ملیں گے۔

غزل

کیا غریبوں کے بھی مقدّر ہیں
طالبِ یاس غم کے خوگر ہیں

شامیو ! کیا ہوا بُہتر ہیں
شمعِ ایماں سے دل منوّر ہیں

نسلِ نو پر یہ فیصلہ چھوڑا
کتنے الزام آپکے سر ہیں

میرے ماں باپ، یہ بزرگ میرے
پھول، خوشبو، دُعا کے پیکر ہیں

پیاس ہی پیاس تا حدِ نظر
دور تک ریت کے سمندر ہیں

کہہ رہی ہے یہ دھوپ صحرا کی
صرف چھالے میرا مقدّر ہیں

کل وہ اقبالؔ اور ہی کچھ تھا
آج کچھ اور اس کے تیور ہیں

غزل

ہے لمحہ لمحہ صدی سا طویل تر میرا
یہ ایک مصرعہ ہے احوالِ مختصر میرا

میری تلاش ہے کچھ مختلف زمانے سے
کوئی سمجھ نہ سکا مطمعِ نظر میرا

میرے نصیب کی بے مائیگی کے صدقے میں
ہے تیرے کاسۂ شہرت میں سب ہنر میرا

اُداس رات ہے تنہائیاں ہے اور میں ہوں
نہ کوئی دوست نہ مونس نہ ہم سفر میرا

کسی بھی حال میں دنیا سے جیتنا ہے مجھے
لگا وقار ہے اقبالؔ داؤ پر میرا

غزل

تیشہ اُٹھاؤ وقت یوں برباد مت کرو
اب اور بیاں حکایتِ فریاد مت کرو

احسان ہے خدا کا کہ دست و پا سہی
بے بس نہیں ہو نالہ و فریاد مت کرو

اپنے لہو پہ، قوّتِ بازو پہ ناز ہے
تلوار دے دو ہاتھ میں امداد مت کرو

دو گز زمین کو نہ ترس جاؤ تم کہیں
برباد ایسے ورثۂ اجداد مت کرو

رہنے دو اپنے زلفِ گرہ گیر کا اسیر
اقبالؔ کو گرفت سے آزاد مت کرو

غزل

میز پہ پہلے پھول رکھتا ہے
پھر مقابل ببول رکھتا ہے

تاج رکھتا ہے اپنی ٹھوکر میں
سر پے قدموں کی دھول رکھتا ہے

صرف اس واسطے کہ تو خوش ہو
کوئی خود کو ملول رکھتا ہے

ایک پلڑے میں دنیا اور اک میں
اپنے سارے اُصول رکھتا ہے

زہر اُگلتا ہے جو خلاف میرے
تین فن والے شول رکھتا ہے

غزل

چھوڑیئے قصہ پرانا ہو گیا
آئینہ دیکھے زمانہ ہو گیا

رہ گئی ہے صرف گردِ کارواں
کارواں کب کا روانہ ہوگیا

میں نے ٹھوکر کھائی اور احباب کے
مسکرانے کا بہانہ ہو گیا

مل گیا ہے دشتِ شفقت آپکا
سر چھپانے کا ٹھکانہ ہو گیا

ایک سے اقبالؔ ستر ہو گئے
تنکا تنکا آشیانہ ہو گیا

غزل

سچائی پائیگی منزل، میں کہتا ہوں
تابناک ہوگا مستقبل، میں کہتا ہوں

شیوہ ہے حق گوئی مردِ مجاہد کا
تیرے منہ پہ تجھکو قاتل، میں کہتا ہوں

پودے تیرے سائے میں مرجھاتے ہیں
زہر ہے تیرے خون میں شامل میں کہتا ہوں

اپنا رستہ آپ بنایا ہے میں نے
سہل ہوئی ہے تب ہر مشکل میں کہتا ہوں

ہم پایہ اقبالؔ گرامی چشتی کا
کون ملیگا بہت ہے مشکل میں کہتا ہوں

غزل

وہ گھنا پیڑ ہے دعاؤں کا
آسرا دھوپ میں ہے چھاؤں کا

گھر سے نکلے تو منتظر باہر
ایک جنگل ملے صداؤں کا

دین قدرت کی ہے پرندوں کو
جان لیتے ہیں رخ ہواؤں کا

چاند کل رات لیکے چھت پہ میری
غول اترا تھا اپسراؤں کا

طے شدہ راستے کہاں اقبالؔ
اب سفر ہے نئی دشاؤں کا

غزل

نام کمائیگا اقبالؔ
آگے جائیگا اقبالؔ

دریا کی گہرائی سے
موتی لائیگا اقبالؔ

آسمان ہشیار رہے
پر پھیلائیگا اقبالؔ

روگ لگا بیٹھا دل کا
جان سے جائیگا اقبالؔ

اس دن سمجھو گے تم سب
مُنھ جب آئیگا اقبالؔ

غزل

ٹوٹے پھوٹے کھنڈروں کا شہر ہوں
آج میں بجھتے دیوں کا شہر ہوں

میرے اندر زندگی محصور ہے
سانپ، بچھو، اژدہوں کا شہر ہوں

ایک اک گھر میں مکیں آسیب ہے
اپنی ہی پرچھائیوں کا شہر ہوں

آئینے رہتے ہیں میری گھات میں
شب گزیدہ جگنوں کا شہر ہوں

بدنصیبی ہے میری اقبالؔ میں
آپ ایسے صاحبوں کا شہر ہوں

غزل

شعر ہمارے نئے نہیں
کوئی تہمت دھرے نہیں

ساتھ بگولوں کے ہولیں
اتنے بھی سر پھرے نہیں

ایک جہاں ہے گرویدہ
ٹوٹ گئے ہم جھکے نہیں

یار لطیفہ ہو جائے
مدّت سے ہم ہنسے نہیں

رت آئی رت چلی گئی
پیڑوں پر پھل لگے نہیں

ٹوٹتے دیکھنا جب ستارا کوئی
تو سمجھنا گیا غم کا مارا کوئی

غضب ہے کہ چلمن اُٹھانے سے پہلے
لرزتی ہوئی اُنگلیاں دیکھتا ہوں

ملا ہے راہ میں جو شخص آشنا کی طرح
بچھڑ کے زخمِ ملاقات چھوڑ جائیگا

ابھی سے حسن پریشاں ہے دیکھیے کیا ہو
ابھی تو صرف نظر کے حجاب ٹوٹے ہیں

نفس نفس تیرے جلووں کی آنچ لگتی ہے
تیرا وجود کہیں میرے درمیاں تو نہیں

اچھا ہے کہ کیفیاتی اشعار کی بھی اقبال گرامی کے مجموعے میں گنجائش رکھی گئی ہے۔ یہ شعر خواہ معنی آفرینی یا جدت طرازی کے نادر نمونے نہ ہو لیکن انہیں پڑھ کر، سن کر، گنگنا کر ایسی نا قابلِ بیان مبہم فرحت اور استعجاب آمیز مسرّت کا احساس ہوتا ہے کہ بس:۔

چاند نکلا تھا آب و تاب کے ساتھ
چاندنی جھیل میں نہائی بہت

چاندنی کے شانے پر وہ کھلے گیسو
چاند کی منڈیروں پر چھاؤں کالی کالی ہے

غزل

سو غلط ایک سچ کہا ہے مِرا
ہو مخالف جہاں خدا ہے مِرا

بس یہی ایک شناخت ہے میری
میرا چہرہ ہی آئینہ ہے مِرا

تیرے گھر کی طرف جو جاتا ہے
سیدھا سادھا سا راستہ ہے مِرا

ہو نہ ہو کہ اُداس ہے اقبالؔ
صبح سے دل بجھا بجھا ہے مِرا

غزل

اچھا ہوا جو بات بڑھا کے نہیں گیا
جاتے ہوئے جو ہاتھ ملا کے نہیں گیا

برسا تو خوب برسا گرج اور کڑک کے ساتھ
دل کا غبار دل میں چھپا کے نہیں گیا

اُس صاعقہ مزاج کو عُجلت تھی اس قدر
نام و پتہ تک اپنا بتا کر نہیں گیا

وہ جانتا تھا ضد ہوں میں اسکی اسی لیئے
دیوار درمیاں کی گرا کر نہیں گیا

اقبالؔ اگر ہے کوئی شکایت تو بس یہ ہے
جھونکا ہوا کا پھول کھلا کر نہیں گیا

غزل

خود کو ہوتے بے بام و در دیکھوں میں
آخر کب تک ایسے منظر دیکھوں میں

جانے کیوں اپنا دل یاد آ جاتا ہے
ٹوٹا ہوا جب کوئی ساغر دیکھوں میں

فرصت ہے تو پوچھوں حال رعایا کا
آج لگا کے گھر میں دفتر دیکھوں میں

ممکن ہے اس بار میں پتھر ہو جاؤں
تجھکو پھر اک بار پلٹ کر دیکھوں میں

یہ خواہش بھی ہے کوئی خواہش اقبالؔ
کاغذ کی اک ناؤ سمندر دیکھوں میں

غزل

آئے ہیں لے کے سینے میں ارمان، سب کے سب
دیوانے ہیں تمہارے میری جان، سب کے سب

اٹھ سی گئی ہے شہر سے رسمِ رفوگری
پھرتے ہیں لیکے چاک گریبان سب کے سب

اس طرح ہر کسی سے اُلجھنا نہیں ہے ٹھیک
ہوتے نہیں ہیں ہم سے شریمان سب کے سب

ڈرتے نہیں ہیں جبرو تشدد سے، زور سے
مجرم ہیں اس بنا پہ مسلمان سب کے سب

اقبالؔ آج اور ہی محفل کا رنگ ہے
برہم مزاجِ حسن، پریشان سب کے سب

غزل

خاک صحراؤں کی اُڑائی بہت
عمر ہم نے یوں ہی گنوائی بہت

تیرے صدقے دیارِ غیر کہ آج
یادِ اپنے وطن کی آئی بہت

چاند نکلا تھا آب و تاب کے ساتھ
چاندنی جھیل میں نہائی بہت

پیار میں بے وفائی مت کیجئے
اس میں ہوتی ہے جگ ہنسائی بہت

غزل

یہ شئے جو محبت ہے میرے عزیز
بڑی بیش قیمت ہے میرے عزیز

نہ دیجئے اسے زحمتِ آئینہ
نظر اپنی دولت ہے میرے عزیز

چراغوں سے جلتے نہیں ہیں مکان
ہوا کی شرارت ہے میرے عزیز

جدائی کا ہو کہ وہ قربت کا ہو
ہر اک پل قیامت ہے میرے عزیز

وہی ہم ہیں اقبالؔ اور ہجرتیں
وہی شامِ غربت ہے میرے عزیز

غزل

چار جانب سمندر کراں بیکراں
دل کی کشتی سے موجوں کی اٹکھیلیاں

انقلابِ زمانہ کی تصویر ہے
میرے چہرے پہ تحریر تبدیلیاں

کوئی دشمن بھی گذرے نہ اس دور سے
یہ مرادوں کے دن اُف یہ محرومیاں

میری دولت یہی عزّتِ نفس ہے
تیرے صدقے زمانے کی نیرنگیاں

آسماں پہ ستارے کا اقبالؔ ہے
خاک میں ملنے والوں کی وقعت کہاں

غزل

کام رکھنے لگے ہو مطلب سے
یہ ہنر تم کو آ گیا کب سے

چاہتا ہوں خرید لوں دنیا
جیب میں دام آ گیا جب سے

کیا ہے اوقات اسکو بتلادو
ایک پیادا ہٹا کے اردب سے

حاکمِ وقت کا قصیدہ لکھے
ہو غرض جس کو جاہ و منصب سے

حرفِ حق کہہ کے آپنے اقبالؔ
مول لے لی ہے دشمنی سب سے

غزل

چھوڑو ہٹاؤ بات بڑھانے سے فائدہ
بیکار اپنے دل کو دکھانے سے فائدہ

تکمیل آرزوؤں کی ممکن نہیں ہے جب
خوابیدہ حسرتوں کو جگانے سے فائدہ

اک عمر کٹ گئی ہے تو تھوڑی سی اور سہی
اب اس گلی کو چھوڑ کر جانے سے فائدہ

انجام کار مٹّی میں ملنا ہے اک دن
ذرّے کو آفتاب بنانے سے فائدہ

اقبالؔ جب صبا کو ہی رغبت نہیں تو پھر
گلدان میں گلاب سجانے سے فائدہ

THIS EBOOK IS DOWNLOADED FROM
SHAAHISHAYARI.COM

LARGEST COLLECTION OF URDU
SHERS, GHAZALS, NAZMS AND EBOOKS.

پتھروں سے دل پگھل کر پانی پانی ہو گئے
آئینو ں کے سامنے جب آگئی دیوانگی

پھیلے ہوئے ہیں چاروں طرف خوشبوؤں کے غول
وقت آگیا ہے جیسے خزاں کے زوال کا

نگاہ ِ ناز کی انگڑائیاں ارے توبہ
زمانہ نیند سے بوجھل دکھائی دیتا ہے

شام سورج کی پالکی لیکر
شہر سے گاؤں جا رہی ہوگی

کم کم سہی اس مجموعے کے شاعر نے عرفانِ ذات اور رموزِ کائنات پر بھی خامہ فرسائی کی ہے اور سادہ سادہ اشعار میں گہرے مفاہیم پرو دیے ہیں۔ ذرا دیکھیے کیسے کیسے دریکیاب اس کے ہاتھ آئے ہیں۔

فر قِ موت و حیات کیا معنی
ایک دریا کے دو کنارے ہیں

مختارِ زمانہ بھی محتاجِ زمانہ بھی
اعمال بناتے ہیں انسان نہیں بنتا

دھوپ کی ناگر بیل بدن کو چاروں اور سے جکڑے ہے
سر پہ سورج سایہ فگن ہے چاند اُگا ہے سینے میں

غزل

ٹوٹتے دیکھنا جب ستارا کوئی
تو سمجھنا گیا غم کا مارا کوئی

پا کے سب کچھ نہیں ہے کوئی مُطمئن
اور خوش ہے اُٹھا کے خسارا کوئی

کھولکر بیٹھ جاتا ہے تنہائی میں
لے کے یادوں کا اکثر پٹارا کوئی

جس جگہ آگ ہوگی اُٹھے گا دھواں
کاش اب بھی سمجھ لے اشارا کوئی

آج اقبالؔ یہ راز بھی کھل گیا
ہم کسی کے نہ اب ہے ہمارا کوئی

غزل

گوٹ کناری تھوڑے ہی ہے
تیری ساری تھوڑے ہی ہے

اردو ہے یہ میرے بھائی
راج دلاری تھوڑے ہی ہے

قرض لیا ہے لوٹا دیں گے
چکّر دھاری تھوڑے ہی ہے

جان بہت پیاری ہے لیکن
اتنی پیاری تھوڑے ہی ہے

مانا ہوں سرکار کا خادم
دل درباری تھوڑے ہی ہے

دنیا ہے اقبالؔ گرامی
پھول کیاری تھوڑے ہی ہے

غزل

یہ تصنع یہ بناوٹ یہ دکھاوا جھوٹ ہے
ایک سچ ہے اورسب اسکے علاوہ جھوٹ ہے

باپ، ماں، بھائی، بہن، گھر، بیوی، بچّے، کاروبار
جھوٹ کا ہے جال سارا، ہر چھلاوہ جھوٹ ہے

آنکھ پر پردا پڑا ہے آج بھی انصاف کی
مدّعی سچّا نہیں منصف کا دعوئ جھوٹ ہے

لوٹ کے آنا زمیں کی سمت طئے ہے جان لو
آسمانوں سے ستاروں کا بلاوا، جھوٹ ہے

آج کی شب آخری شب ہے تیرے اقبالؔ کی
زخم کاری ہے مسیحا کا مداوا جھوٹ ہے

غزل

رستے کی دیوار کئی ہیں
اپنے رشتے دار کئی ہیں

اکلوتا غم ہو تو بولو
اس دل کے آزار کئی ہیں

دشمن اور مخالف میرے
سرکاری اخبار کئی ہیں

جبرو استبداد کے آگے
مجبورو لاچار کئی ہیں

تم جانو اقبال گرامیؔ
حسن کے دعویدار کئی ہیں

غزل

جب کبھی میری صدا کے پر کھلے
جانے کتنے گنبدِ بے در کھلے

وائے حسرت بر نہ آئی آج تک
کاش مجھ پر وہ پری پیکر کھلے

پا برہنہ اور دریدہ پیرہن
پھرتی ہے سڑکوں پہ پگلی سر کھلے

پھر لہو کا ذائقہ مانگے زباں
پھر کوئی ناخن کوئی نشتر کھلے

اُس پہ اے اقبالؔ قاتل ہے میرا
یہ کھلے بھی تو سرِ محشر کھلے

غزل

جذبۂ شوقِ شہادت اور ہے
آج دیوانے کی حسرت اور ہے

بے سروپا آسماں تنہا نہیں
بے درودیوار ایک چھت اور ہے

کلمۂ حق کا اعادا کیجئے
خون میں باقی حرارت اور ہے

مل گیا ہے گرچہ مانگے کے سوا
بوالہوس کے دل کی چاہت اور ہے

اور کچھ حالات تھے اقبالؔ کل
آج دنیا اور خلقت اور ہے

غزل

آندھیوں میں دیے جلاتے ہیں
نام انکے ثبات پاتے ہیں

عمر کیا ریت کے گھروندوں کی
چند لمحوں میں ٹوٹ جاتے ہیں

ہے کلیجہ تیرے دیوانے کا
تیر کھاتے ہیں مسکراتے ہیں

دو گھڑی آکہ میکدے میں تیرے
غم کے مارے سکون پاتے ہیں

چند چہرے ہیں ایسے جو اقبالؔ
عکس شیشے میں چھوڑ جاتے ہیں

اقبال گرامی کا تصوّرِ فن

احمد کمال پروازی
کاشانۂ فرحت
مالوہ اسٹیل فیکٹری، توپ خانہ روڈ، اُجین (ایم۔پی۔)

اقبال گرامی کلاسیکی ذہن کے مالک ہیں، یوں تو ہم سبھی اپنے ماضی کی سرگذشت کے امین ہیں اور اپنے مستقبل کو اپنے ماضی کے حوالے سے زیادہ سے زیادہ بامعنی بنانے کی کوششوں میں لگے ہیں۔ ادب بھی ایک نسل سے دوسری نسل کو اپنی روایات اور اقدار کو منتقل کرنے کے فریضے کی یاددہانی کراتا ہے۔ اسکے علاوہ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ وقت کے تسلسل کی دھوپ چھاؤں، نشیب وفراز کے فطری عمل سے فن اور شخصیت کی نشو ونما ہوتی ہے۔ زندگی جس قدر شعور کا حصہ بنتی ہے اس سے کہیں زیادہ پردۂ اخفا میں رہتی ہے۔ بہر حال یہ انسان کا مقدر ہے، زندگی جتنی سلجھتی ہے اتنی ہی پیچیدگی کی طرف مائل بھی ہوتی ہے۔ زندگی کا یہ تضاد اور کسی کو راس آئے نہ آئے مگر فنکار اس تضاد سے بڑی خوبی کے ساتھ نباہ کرتا ہے، یعنی وہ پیچیدہ سے پیچیدہ تر اور سرکش سے سرکش تضاد کو آرٹ کی فریم میں فٹ کر دینے کا اہل ہوتا ہے۔ اس عمل کے دوران وہ زبان اس فنکار کی معاون ومددگار ہوتی ہے، کہ جس میں وہ اپنے فن کا اظہار کر رہا ہوتا ہے۔

اقبال گرامی کے فنی اظہار کی زبان اردو ہے، اردو جسکی اپنی ایک مضبوط ترین روایت ہے۔ جسکا ماضی شاندار، جسکی رگوں میں مختلف تہذیبوں ثقافتوں نیز زبانوں کے احساسات پیوست ہو کر ایک وحدت کی قدر میں ڈھل گئے ہیں۔ ہم اردو کو مشترکہ تہذیب کہتے آئے ہیں اور یہ واقعہ بھی ہے۔

خسرو سے غالب تک اسکے نمونے مسلسل ہمیں اپنی زبان اور اسکے ادب کی تاریخ میں مل جائیں گے یہ ممکن ہی نہیں کہ اردو شاعر اور صاحبِ شعور فنکار روایت سے اپنا رشتہ توڑے کہ وہی تو اسکی تاریخ ہے۔

اقبال گرامی کا تصوّرِفن بھی مشتر کہ روایات کے تحفظ سے عبارت ہے۔جب ہم انکا مجموعہء کلام پڑھتے ہیں تو پہلے ہی تاثر میں ہم اپنے تہذیبی وتاریخی اثاثے کی کشادگی سے روبرو ہوتے ہیں اور جیسے جیسے ہم آگے بڑھیے ہیں فن پارے کی جانی پہچانی فضا ہمیں اپنا شریک کر لیتی ہے۔ شاعر اپنے تمام احساسات، جذبات، فنّی وفکری کیفیات اس طرح منتقل کر دیتا ہے جیسا کہ وہ خود چاہتا ہے، یعنی جو اسکا مطمحِ نظر تھا، اس تناظر میں ہمیں سمجھ لینا چاہیے کہ وہ اپنے شعر گوئی کے عمل میں بامراد ہے۔

اگر چہ فلسفوں اور متنوع تصورات کی کثرت نے انسانی ذہنوں پر اچھے بُرے اثرات مرتب کیے ہیں، سائنس اور ٹکنالوجی نے فکر وعمل کی سمتیں بدلی ہیں، ہر روز ایک نیا معاشرہ جنم لے رہا ہے اور ہر روز ایک معاشرہ ضعیف اور بوڑھا ہو کر فنا ہو رہا ہے، ادب بھی اس سے اچھوتا نہیں ہے لیکن کچھ روحانی رشتے ایسے ہیں جو اٹت ہے۔ کچھ قلبی ووجدانی مسلمات اپنے روزِ اوّل سے آج تک قائم وپائندہ ہیں۔

اقبال گرامی بھی ایک روحانی ووجدانی ورثے کے امین ہیں، مثال کے طور پر

جو بعد میں ہیں سب تیرے کن کا ہے فیصلہ
ہے کن سے پہلے وہ تیری ذاتِ عظیم ہے
اللہ کے عہد کو سمجھنے کے واسطے
جو لفظ میرے سامنے آیا وہ میم ہے
وہ عطا کیجئے کہ نہ اُٹھے کہیں دستِ سوال
کیوں کسی کے سامنے اقبال شرمندہ رہے

مدعی چل کے دیکھ شانِ خدا
ہل امزارہں میں جان ہوتی ہے ۔
انکے کوچے کی سرزمیں توبہ۔
ہو بہو آسمان ہوتی ہے۔

دراصل ہم اپنی صالح روایات، نیز تہذیبی و تاریخی حوالوں سے اپنی شناخت کرتے اور کراتے ہے، یہ جذبہ و احساس ہمیں عزیز ہی نہیں بلکہ یہ تو ہمیں شاندار ماضی کی یاد دلاکر توانا احساسِ تفاخر سے دوچار کراتا ہے۔ ایسا بالکل نہیں کہ ہم محض روایت کے مبلّغ ہو کر عصری آگاہیوں سے رودگرانی کرر ہے ہیں، بلکہ ہم تو اُن آئینوں کو صاف رکھنے کی سعی بھر کرر ہے ہیں کہ جن پر بے سمت فیشن زدہ قدموں نے گرد جمادی ہے۔ عصری حسّیت سے کون انکار کرسکتا ہے، لیکن فن محض عصر کی فوٹو کاپی تو نہیں، جب تک عصری آگاہی، شعور و بصیرت کا حصّہ نہیں بنتی اور جب تک احساس کی بھٹی میں تپ کر ردّ و قبول کے جدلیاتی عمل سے نہیں گذرتی تب تک اسے فنی اظہار کی زمین نصیب نہیں ہوتی تو اسکا سفر بس خلاء سے خلاء تک ہی محدود رہتا ہے۔ فنکار بیشتر اپنے ماضی میں جیتا ہے اسی میں سانس لیتا ہے اسی میں تسکین پاتا ہے۔
نئی یا کچھ معنوں میں عصری شاعری کا مطلب نئے الفاظ کو نظم کر دینے سے قطعی نہیں ہے۔ نئے الفاظ سے مراد متروکات یا زبانِ دیگر کے الفاظ سے بھی نہیں ہے۔ کیوں کہ کوئی لفظ بھی نیا یا پرانا نہیں ہوتا اور نہ اس نوعیت سے فن کو سمجھنے کی غلطی کرنی چاہیئے یہ غلطی ہمارے یہاں جدیدیت کے فروغ کے زمانے سے ایک مفروضے کی صورت میں پنپ گئی ہے۔ کئی ایک لکھنے والے وقت کی تبدیلی کے ساتھ اپنی معنویت کھو چکے ہیں۔ دراصل نئی شاعری نئی

سمندر کے محافظ اژدہے ہیں
ضروری ہے عصا بردار رہنا

تمنا ہے کسے جینے کی لیکن
سوا جینے کے چارا بھی نہیں ہے

رہ گئی ہے صرف گردِ کارواں
کارواں کب کا روانہ ہوگیا

جنوں کی مہربانی ہے کہ مجھکو
گریباں چاک کرنا آگیا ہے۔

چہچہاتے نہیں بہاروں میں
کچھ پرندے عجیب ہوتے ہیں۔

میں تو اپنی جگہ معمولی سا خادم تھا مگر
تو سکندر تھا تو کیوں آئینے کم کر ڈالے

کہاں تک کروگے جگر کو لہو
میاں، آبیاری بہت ہو گئی

بجھ گیا آخر چراغِ شام بھی
گھر نہ آیا صبح کا بھولا ہوا

نگاہوں کو تابِ نظارا نہیں ہے
حقیقت ہے یہ استعارا نہیں ہے

عصری حسیت سے عبارت ہے، موضوعات چاہے کچھ ہوں۔ اظہار میں انفرادیت پہلی شرط ہے لیکن شاعری اور غیر شاعری میں امتیاز کا شعور بھی ایک ناگزیر حقیقت ہے اور اسی شعور میں عمیق ترین مطالعات کی پشت پناہی نیز وجدانی علم کارفرما ہوتا ہے۔ اقبال گرامی اس کلیے سے واقف ہیں، اسی لیئے کہیں بے سمتی کا شکار نہیں ہوئے ہیں۔ کچھ مثالوں پر غور کیجیے۔

چند چہرے ہیں ایسے جو اقبال
عکس شیشے میں چھوڑ جاتے ہیں

اور کچھ حالات تھے اقبال کل
آج دنیا اور خلقت اور ہے

رستے کی دیوار کئی ہیں
اپنے رشتے دار کئی ہیں

اک عمر کٹ گئی ہے تو تھوڑی سی اور سہی
اب اس گلی کو چھوڑ کے جانے سے فائدہ

انقلابِ زمانہ کی تصویر ہیں
میرے چہرے پہ تحریر تبدیلیاں

اٹھ سی گئی ہے شہر سے رسم رفوگری
پھرتے ہیں لے کے چاک گریباں سب کے سب

اس صاعقہ مزاج کو عجلت تھی اس قدر
نام و پتہ تک اپنا بتا کر نہیں گیا

وہ جانتا تھا ضد ہوں میں اسکی، اسی لیئے
دیوار درمیاں کی گراکر نہیں گیا

زندگی کے تلخ وشیریں تجربے زندگی کو ایک وژن عطا کرتے ہیں۔ فنکار اس وژن کو بروئے کار لاکر اپنے فکر وعمل کی ایک واضح سمت طے کرلیتا ہے، اسکی رفتار نپی تلی اور منزل جانی پہچانی، اسکا سفر بے ارادہ نہیں ہوتا، اختیار کردہ ہوتا ہے، وہ ہوا میں تیر نہیں چلاتا بلکہ اسکا ہدف طے شدہ ہوتا ہے اور یہی بات اسکو ایک نظریے ایک عقیدے سے سرفراز کرتی ہے۔ نتیجے کے طور پر فنکار کے لہجے میں ایقان اور عقیدے میں راسخیت ایک مستقل قدر بن جاتی ہے۔ مثلاً۔

یا عظمتِ مسجد ہو یا رونقِ مندر ہو
پتھر کسی سورت میں بھگوان نہیں بنتا

جیت لیں گے وہ دل زمانے کے
کچھ مقدمے جو ہمنے ہارے ہیں

میری تلاش ہے کچھ مختلف زمانے سے
کوئی سمجھ نہ سکا مطمحِ نظر میرا

نسلِ نو پر یہ فیصلہ چھوڑا
کتنے الزام آپکے سر ہیں

چھوڑا نہیں میں نے کبھی تہذیب کا دامن
دیتا نہیں کبھی لہجے کو ڈھیل غزل میں

سر پہ جب آفتاب ہوتا ہے
تب پسینہ گلاب ہوتا ہے۔

چمک دمک سے دور بہت ہے
اپنا گوشہء گمنامی ۔

یہ دل چراغ سا روشن رہے، دعا کرنا
میرے مزاج میں بچپن رہے دعا کرنا

جب سے سوزِ غم سے وابستہ ہوا
معتبر میرا لب و لہجہ ہوا۔

ہم یہاں ایک بات واضح کرتے چلیں اور وہ یہ کہ شاعری کسی کے حکم کی تعمیل یا کسی ضدّی بچے کی فرمائش نہیں کہ پوری کردی جائے۔ یہ ظرف وضمیر کا سودا نہیں کہ مراعاتِ آسودگی، شہرت، اعزاز و منصب کے لیئے کسی مارواڑی کے یہاں رہن رکھ دی جائے دراصل شاعری ذہنی آزادی کا دوسرا نام ہے، اسکا براہِ راست تعلق زندگی سے ہے۔ عمر کے کھرے تجربوں سے ہے۔ زندگی علم الحساب کا کوئی سوال نہیں کہ فارمولے کا اطلاق کرکے حل کردیا جائے۔ زندگی تضادات سے عبارت ہے زندگی لحہ لحہ تبدیل ہونے والی حقیقت کا نام ہے یہاں خوشی اور غم پہلو بہ پہلو ساتھ ساتھ چلتے ہیں، اسے کسی محدود و مخصوص تناظر میں نہیں دیکھا جاسکتا زندگی تو زندگی ہے مشین کی ڈائی نہیں کہ یکساں، ہو بہ ہو ماڈل تیار ہوکر نکلتے رہیں۔ چنانچہ تضادات کا تخلیقی اظہار تخلیقی سچائی بھی ہے۔ مثال کے طور پر زندگی اور احساسات وجذبات کے متنوع رنگ اس طرح رونمائی کرتے ہیں۔

کیا تبصرہ کروں میں حدیثِ حیات پر
مانوس اپنے آپ سے اکثر نہیں ہوں میں

خوابوں کی سرزمیں پہ بڑے اعتماد سے میں نے
سجایا گھر کو مگر آگ لگ گئی

اہلِ دانش تو تجھے صرف تسلّی دیں گے زندگی تجھ کو
پناہیں کوئی پاگل دیگا

اگلی صدی بھی ڈھونڈ سکے گی نہ اسکا حل
پیچیدہ اس قدر ہیں سوالات آپکے

اقبال گرامی کلاسیکل ذہن کے مالک ان معنوں میں ہیں کہ انہیں روایت کا شعور ہے فن کی تاریخ کا شعور ہے، لیکن اسکا مطلب یہ نہیں کہ اپنے عصر کے مسائل ومعاملات سے آگاہ نہیں ہیں ہاں مگر موضوع ومواد کو برتنے میں وہ غیر ضروری ابہام اور لفظی کرتب بازی نہیں کرتے شعر کو قاری کے رحم وکرم پر نہیں چھوڑتے، انکا اپنا ایک وژن ہے وہ جس طرح دیکھتے ہیں اسی طرح دکھانے میں یقین رکھتے ہیں، چنانچہ انکی غزل کا لسانی کردار مانوس کاری کی قدر سے معمور ہے۔ فن کو ذاتِ دیگر کو صحیح صحیح منتقل کرنے کا ہنر انہیں آتا ہے۔ آخر میں کچھ ایسے اشعار دیکھ لیجیئے جو دامنِ دل کو کھینچتے ہیں۔

تم اگر دیکھنا چاہو تو دکھاؤں تم کو
میں کہاں چھوڑ کے قدموں کی نشانی آیا

پہنے ہوئے ہیں پیڑ یہاں سبز پیرہن
انگڑائی لے رہا ہے بدن ڈال ڈال کا

پلک شب کی بھاری بہت ہو گئی
کہ اختر شماری بہت ہوگئی

جس شہر کے پھولوں نے مجھے زخم دیئے ہیں
اس شہر کی ایک ایک گلی یاد رہیگی

بند مٹھی میں میرے چھالے تھے اور کچھ بھی نہ تھا
اور اے اقبال اک دنیا سمجھ بیٹھے تھے ہم

یہ دل چراغ سا روشن رہے دعا کرنا
میرے مزاج میں بچپن رہے دعا کرنا

ایک عمر کٹ گئی ہے تو تھوڑی سی اور سہی
اب اس گلی کو چھوڑ کے جانے سے فائدہ

اگرچہ کسی فن پارے کا بھرپور جائزہ اور وہ بھی بہت کم مدّت میں مشکل ہی نہیں ناممکن ہے۔ کیوں کہ ایک مجموعہ میں زندگی اور کائنات کے مختلف رنگ ہوتے ہے جب ہم ایک رنگ پر فوکس کرتے ہیں تو متعدد رنگ دائرے سے باہر ہوتے ہیں اور یہ سلسلہ کبھی نہ ختم ہونے والا سلسلہ ہوتا ہے۔ اور یہ نتیجہ خیزی فنکار کے فن اور قارئین کی قرأت پر بھی لاگو ہوتی ہے۔ قاری کا نقصان تو یہاں ہے کہ ایک بہتر فن پارہ دستیاب ہونے کے باوصف ایک بہترین پارے کی قرأت سے محروم رہے میں اقبال گرامی صاحب کا شکر گذار ہوں کہ موصوف نے احساساتِ اقبال پڑھنے کا موقعہ فراہم کیا۔

احمد کمال پروازی ۲۳، اگست ۲۰۰۵ ئی

اقبال گرامی کی شعری حسیت

سکندر عرفانؔ

۱۰، رامیشور نگر، کھنڈوہ (ایم. پی.)

شہر کھنڈوہ ادب کے نقشہ پر نمایاں حیثیت کا حامل ہے۔ یہاں کی زرخیز مٹی سے ابھرے کئی فنکار عالمی شہرت کے مالک بنے۔ ۱۹۷۰ء سے ۱۹۸۰ء کے دہے میں اس شہر میں شعراء کی جو نصل اُبھر کر آئی ہے اس میں اقبالؔ گرامی کا نام ایک نمایاں مقام رکھتا ہے۔ راقم الحروف کے ہم عصروں میں اقبالؔ گرامی کے علاوہ حبیب حبابؔ، صغیر منظرؔ، گوہرؔ انصاری، ظہور شاہدؔ، ہارون فراقؔ وغیرہ نمایاں ہیں جو ہنوز گیسوئے غزل سنوارنے میں منہمک ہیں۔ میرے سامنے اقبال گرامی کا اوّلین مجموعۂ کلام 'احساساتِ اقبال' رکھا ہوا ہے، ابھی ابھی مذکورہ مجموعہ کی آخری غزل میں نے پڑھ کر مجموعہ کی سیر حاصل اسٹڈی کی ہے۔ مجھ پر اقبال کی شاعرانہ شخصیت کے جو اوراق وا ہوئے ہیں میں ان پر اظہارِ خیال کرنا چاہوں گا۔

'احساساتِ اقبال' اقبال گرامی کے نیرنگِ خیال کا خوبصورت مجموعہ ہے، حالاں کہ ابتدائی کلام دیکھنے کے بعد انکی شاعرانہ حسیت یوں لگا دبی دبی سانسیں لے رہی ہے اسے پوری طرح اُبھرنے کا موقع نہیں مل رہا ہے، مگر آگے بڑھنے پر اس میں قدرے اضافہ ہوا اور آخری ورق تک وہ پوری تابناکی کے ساتھ اُبھر آئی، اقبال گرامی کی شاعری جدید اور روایتی شاعری کا حسین اور دل کش سنگم ہے جو قاری کو بیک وقت لطافتِ ہمہ رنگ سے ہم کنار کرتا ہے۔ جیسا کہ میں نے عرض کیا ہے، 'احساساتِ اقبال' اقبال گرامی کا نقشِ اوّل ہے جو انکی ۳۵ سالہ شعری کاوشوں کا

مظہر ہے، اس میں ایک حمد ایک نعتِ پاک اور تقریباً ۱۰۶ غزلیں شامل ہیں۔

احساساتِ اقبال کا انتساب انکے استاد احمد علی گرامی کے نام ہے احمد علی گرامی مرحوم بھی اپنے دور کے بے تاج بادشاہ تھے انکے فن کی دھوم تھی اقبال نے گرامی صاحب کے سامنے سن ۶۴ میں زانوئے ادب طے کیا اور فنِ شعر گوئی کی تربیت لینے لگے اس زمانے میں ڈاکٹر ممتاز احمد خوشتر، ظفر کھنڈوی، استاد ضیاء الدین ضیاء، طالب ممتاز، اور شوق ماہری کا طوطی بولتا تھا آئے دن مشاعروں اور نشستوں کا انعقاد ہوا کرتا تھا ایسے ماحول میں اقبال گرامی کی شاعری کی ابتداء ہوئی انکے ابتدائی دور کا کلام انکے شباب آگہیں لمحوں کی عکاسی کرتا ہے جب عموماً رومان پرور جذبات انگڑائیاں لیتے ہیں۔ دلوں کی دھڑکنوں میں حسن کی خوشبوؤں کا احساس جاگزیں ہوتا ہے۔ ایسے احساسات سے مزین انکے اشعار بڑے تاثر کن اور جاں گداز ہوتے ہیں۔

نفس نفس تیرے جلوے کی آنچ لگتی ہے
تیرا وجود کہیں میرے درمیاں تو نہیں
کچھ آئینے تیرے جلوؤں میں ڈھل گئے لیکن
کچھ آئینے تیرے عکسِ جواں سے ٹوٹے ہیں

اقبال گرامی کی شاعری کا محور زندگی کے مختلف محرکات ہیں۔ انہوں نے شبعہء حیات کے کئی پہلوؤں جیسے دوستی، بیوفائی، حالات کی ستم ظریفی، محرومی، ناکامی، بدلتے موسموں کے تیور، اپنوں کی بے اعتنائی پر بھرپور خامہ فرسائی کی ہے زندگی کے طویل مسائل انکی چھوٹی سی دنیا میں سمٹ کر آگئے ہیں۔

ہمدردیوں کا ڈھونگ رچانا فضول ہے
چھپتے نہیں ہیں چہروں پہ جذبات آپکے

غرور کا بھی کسی دن طلسم ٹوٹیگا
رہیگی جھوٹی انا کی فصیل کتنے دن

پیٹھ میں خنجر لگا تب جا کے اندازہ ہوا
بھول سے اک غیر کو اپنا سمجھ بیٹھے تھے ہم

آج کا فنکار حالات کی ستم ظریفی اور جذبوں کے تصادم سے بر سرِ پیکار نظر آتا ہے اقبال گرامی کے بیشتر اشعار ایسے ہی مضامین کی ترجمانی کرتے نظر آتے ہیں۔ایسی شاعری آج کے قاری اور سامع کو اپنے دل کے بہت قریب محسوس ہوتی ہے۔اس ضمن میں چند اشعار دیکھیں۔

رو رو کے ایک شخص دعا مانگتا رہا
جب آگیا دعا میں اثر آگ لگ گئی

حالات میرے واسطے پردہ ہے سخن کا
لکھتا ہوں میں حالات کی تفصیل غزل میں

چراغوں سے جلتے نہیں ہیں مکاں
ہوا کی شرارت ہے میرے عزیز

اقبال گرامی کواپنے استادمرحوم گرامی چشتی سے ازدلی مناسبت ہے،اسی طرح انہیں ڈاکٹر مظفرؔ حنفی سے بھی ایک عقیدتِ خاص ہے۔جسکا اظہار انہوں نے احساساتِ اقبال میں شامل بیشتر اشعار میں فرمایاہے،چنداشعار ملاحظہ فرمائیں۔

آج کے دور میں اقبال گرامی یونہی
عظمتِ نامِ گرامی کو بڑھائے رکھیئے

جسکی تعبیر ہے اقبال میرے شعروں میں
ہے گرامی کا وہی خواب مظفرؔ حنفی

اقبال گرامی اپنی ذاتی زندگی میں ایک شریف النفس اور نیک انسان ہیں۔جس معاشرہ انہوں نے آنکھ کھولی وہاں محبت ، بھائی چارہ ، ایثار اور قربانی عنقا ہیں، انسانیت یہاں اونچی عمارتوں کی زد میں سسکتی دکھائی دیتی ہے۔انکا قلم سماج کی ان برائیوں کے خلاف برسرِ پیکار ہے۔فرماتے ہیں

بناؤ شوق سے اونچی عمارتیں لیکن
کسی فقیر کے آنے کا راستہ رکھنا

خلوص و محبت کا پانی چھڑک کر
عداوت کے شعلے مٹاتا چلا جا

میرے بچّوں ہمیشہ سچ کی خاطر
بدی سے برسرِ پیکار رہنا

آنکھ پر پردہ پڑا ہے آج بھی انصاف کی
مدّعی سچا نہیں منصف کا دعویٰ جھوٹ ہے

تیرے گھر کی طرف جو جاتا ہے
سیدھا سادہ سا راستہ ہے میرا

چراغوں سے جلتے نہیں ہے مکاں
ہوا کی شرارت ہے میرے عزیز

جان بہت پیاری ہے لیکن
اتنی پیاری تھوڑے ہی ہے۔

عمر کیا ریت کے گھروندوں کی
چند لمحوں میں ٹوٹ جاتے ہیں

اچھا ہوا جو بات بڑھا کر نہیں گیا
جاتے ہوئے وہ ہاتھ ملا کر نہیں گیا

آج اسے جی بھر کے سن لو
موڈ میں ہے اقبال گرامی

اپنے اہلِ زبان ہونے اور زباں دانی پر ناز کرنے والے اربابِ قلم دل پر ہاتھ رکھ کر فیصلہ کرنے کی زحمت فرمائیں ایسے نوک و پلک سے سجے ہوئے اشعار نک سک، درست زبان، مضامینِ تازہ کا حامل کلام اور سہلِ ممتنع کی یہ شان کیا لائقِ تحسین اور حوصلہ افزائی کے سزاوار نہیں ہیں۔ بیشک اقبال گرامی نے ایسے مزیدار اور تابناک شعر کہہ کر گھنڈوہ کا نام اونچا کیا ہے۔ انہوں نے سچ کہا ہے۔

نام کمائے گا اقبال۔
آگے جائیگا اقبال

ڈاکٹر مظفر حنفی ۱۰/۱۰/۲۰۰۵ء

اقبال گرامی ایک سیدھے سادے انسان ہیں انکی شاعری بھی سیدھی سادی اور تصنع سے پاک ہے لیکن کبھی کبھی مصلحتاً انکا لہجہ کھردرا اور اظہار سخت روی کا شکار ہو جاتا ہے۔ جو مخالفین پر گراں گزرتا ہے۔

جیسے چاہیں لوگ رکھ دیں حاشیئے اقبال پر
توڑ دیگا وہ صفر سے ہر عدد کا دائرہ

کانٹا ہی ہے جو لوہے سے تو کاٹو لوہا
سانپ کو دودھ نہیں زہر پلا کر مارو

لغزشیں، خامیاں تقاضائے بشریت ہیں۔ احساساتِ اقبال بھی عیوب سے پاک نہیں ہے مگر ان سے صرفِ نظر، شاعر کی حوصلہ افزائی ہونی چاہیئے۔ اقبال گرامی از خود رقمطراز ہیں۔

میرے نصیب کی بے مائیگی کے صدقہ میں
"ہے تیرے کاسۂ شہرت میں سب ہنر میرا"

مجھے اُمید ہے "احساساتِ اقبال" اہلِ نظر سے قبولِ عام کی سند پائیگا۔ اربابِ فن اسے قدر کی نگاہ سے دیکھیں گے۔

سکندر حمید عرفان

۲۸، جولائی ۲۰۰۵ء

عکسِ خیال

ڈاکٹر ایاز قریشی

اقبال گرامی کا شعری مجموعہ "احساساتِ اقبال" اپنے خالق کی غیر معمولی حسیت، بے پناہ جذبات اور عصری آگہی کا آئینہ دار ہے۔ موصوف کی اسی جذباتیت نے انہیں شعر گوئی کی ترغیب دی ہے کیونکہ شاعری ہی تند جذبات کی ترسیل کا سب سے موثر ذریعہ ہے۔ گو کہ اردو شاعری میں غزل گوئی کی روایت نہایت قوی اور مستحکم ہے اور اساتذہ نے اسے جس کمالِ فن سے ہمکنار کر دیا ہے، اسکے بعد اس میدان میں اپنے جوہر دکھانا نہایت دلیری اور جانبازی کا کام ہے۔ اقبال گرامی کو اردو کی اسی شاندار شعری روایت کا درک بھی ہے اور اسکے لیئے بھرپور جذبہء احترام بھی، لیکن اپنے گہرے تخلیقی کرب کو منظرِ عام پر لانے کے فطری جذبہ کے زیرِ اثر انہوں نے جو شعر کہے ہیں وہ یقیناً اردو ادب کا قیمتی سرمایہ ہیں۔

اقبال گرامی کا یہ شعری مجموعہ ان تمام انسانی جذبات و کیفیات کی بھرپور ترجمانی کرتا ہے، جو کسی بھی شعری مجموعہ کی کامیابی کی ضمانت تسلیم کیئے جاتے ہیں۔ موصوف کے اشعار میں انسان دوستی، الوالعزمی مصلحت کوشی، فلسفہ اور روحانیت کے ساتھ۔ساتھ عصرِ حاضر کی وہ تمام پیچیدگیاں رونما ہوتی ہیں جن سے کسی ذی شعور اور بیدار دماغ انسان کو مفر نہیں۔ اس سلسلہ میں موصوف کے چند اشعار بطورِ خاص قابلِ ذکر ہیں۔

ہمیں بھی سیکھنا ہے اسمِ اعظم
حکومت ہے یہاں جادوگروں کی

سمندر کے محافظ اژدھے ہیں
ضروری ہے عصابردار رہنا

میز پر پہلے پھول رکھتا ہے
پھر مقابل ببول رکھتا ہے

پھیر لیں سبز درختوں سے پرندوں نے نظر
بارشیں ہوگئیں ویران ہمیشہ کے لیئے

اقبال کا یہی جمالیاتی شعور، اپنے ماحول سے گہری وابستگی، دلفریب لہجہ، جانگداز انداز اور روزمرہ کی زبان میں بات کہہ جانے کا ڈھنگ انہیں ایک ممتاز پہچان تو عطا کرتا ہی ہے، ساتھ ہی دل ودماغ کو موصوف کے وطن کھنڈوہ کی اس زرخیز زمین کی جانب مبذول بھی کرتا ہے۔ جہاں کی تہذیبی میراث اور ادبی محفلوں نے عصرِ حاضر میں ملک کو ڈاکٹر مظفر حنفی جیسے باکمال شاعر اور عہدِ گذشتہ میں متعدد مشہور ومعروف شعراء کرام سے نوازا ہے۔ امید ہے قارئین اس شعری مجموعہ کی بھرپور پذیرائی فرمائیں گے اور اقبال کا اقبال مہر وماہ سا بلند و بالا ہوگا۔ آمین

ڈاکٹر ایاز احمد قریشی

"احساساتِ اقبال میری نظر میں"

ڈاکٹر سید صفدر رضا کھنڈوی

ملک کے دیگر ادبی مراکز کی طرح ضلع نماڑ میں بھی اردو شاعری کی ابتدائی نشو نما صوفیائے کرم کے زیرِ سایہ ہوئی۔ نماڑ میں شاعری کا آغاز ۱۴۸۰ء میں شیخ سعدی دکنی برہان پوری اور شاہ بہاء الدین جیسے باکمال صوفی شعراء نے کیا۔ شعر و ادب کیر شمع ان بزرگ شعراء نے روشن کی تھی اسے ہر دور میں شعراء کرام نے روشن رکھا۔

ہمنا تمن کو دل دیا تم نے لیا اور دکھ دیا
تم یہ کیا ہم وہ کیا ایسی بھلی یہ ریت ہے (سعدی دکنی)

باجن زہد وریائی کچھ کام نہ آئے
جب وہ پہنچے ہات منھ اک جو نہ پائے (شاہ باجنؔ)

نہ بولی شمع اتنا ہائے پروانے کے ماتم پر
کہ تھا ہمدم اپنا، یار اپنا، جاں نثار اپنا (ترمبک ذرّہ)

ادبی مرکز کھنڈوہ بھی برہانپور کے ان صوفیا شعراء کے خیالات اور ادبی مشاغل سے متاثر رہا۔

دیوانہ وار وادئ غربت میں جب چلا
آ آ کے خار پڑتے تھے مجھ خستہ جاں کے پاؤں
(تحسین کھنڈوی)

نمازِ عشق پڑھونگا اُسی کے آنچل پر
یہ آرزو لئے گھر سے میں باوضو نکلا (قلندر علی سید)

جیسے جیسے اردو زبان ترقی کرتی گئی، وہ شعروادب کے سانچے میں ڈھلنے لگی اور شعراء کرام غزل کو نئے امکانات سے آشنا کرانے میں پیچھے نہیں رہے۔ دنیائے شعروادب میں سرزمینِ کھنڈوہ سے ایک بڑا نام ڈاکٹر مظفر حنفی صاحب کا اُبھر کر آیا۔ اردو غزل جو اپنے روایتی پیکر میں صرف حسن وعشق اور ہجر ووصال تک محدود تھی وہ آج کے عصری مسائل کا موضوعِ سخن بنی اور ڈاکٹر مظفرؔ حنفی جیسے تیکھے لب ولہجہ کے شاعر نے نئی نسل کے شاعروں کو اس ڈگر پر چلنے کے لئے سمت متعین کی، نماڑ میں غزل گوئی کے میدان میں ڈاکٹر مظفرؔ حنفی صاحب کی جدّت پسن طبیعت نئی نسل کے شعراء کی سرپرستی کررہی ہے۔ اقبال گرامی موصوف سے بے حد متاثر ہیں کہتے ہیں۔

بحرِ فن گوہرِ نایاب مظفرؔ حنفی آج کے دور کا سیماب مظفرؔ حنفی
میرؔ کی فکر تو اندازِ غزل غالبؔ کا شہرِ دانش کی تب وتاب مظفرؔ حنفی

احساساتِ اقبال اقبال گرامی کا پہلا مجموعہ ہے جس میں فکر تازہ اور شدّت احساس کی جلوہ نمائی ہے، جذبات کی توانائی اور فکر کی فراوانی ہے۔ اقبال گرامی نے پرانی روش کی پاسداری کرتے ہوئے نئی فکری شاہراہ پر قدم اُٹھائے ہیں اور انکا یہ سفر جاری ہے۔

ہو جائے لہو ہوتا ہے تحلیل غزل میں
ہوتی ہے مری ذات کی تکمیل غزل میں

دُعا ہے ادبی حلقون میں یہ نوجوان شاعر اپنی چھاپ قائم کریگا۔

ڈاکٹر سید صفدر رضا کھنڈوی

" آئینہ احساساتِ اقبال گرامی "

ڈاکٹر محبوب راہی

اقبال گرامی کے گھر کا ماحول شعروادب کی خوشبو سے رچا بسا تھا۔ موصوف کے چچا بشیر ہندی کا شمار شہر کے نامور شعراء میں ہوتا تھا جو گھر میں اکثر و بیشتر شعروسخن کی محفلیں سجائے رہتے تھے اس خوش گوار اور صحتمند ادبی ماحول میں اقبال گرامی کی پرورش و پرداخت اور ذہنی تربیت کا لازمی نتیجہ عمر کے اس دور میں "جو جوانی کی راتیں مرادوں کے دن" سے عبارت ہوتا ہے انکی شعر گوئی شکل میں ظاہر ہوا۔ والد بزرگوار نے موصوف کا رجحان۔ شعر گوئی کی جانب مائل دیکھ کر انہیں کھنڈوہ کے نامی گرامی اُستاد شاعر گرامی چشتی کے حلقہء تلامذہ میں داخل کرادیا جنکی تربیت سے جلا پا کر اقبال گرامی کی فتری تخلیقی صلاحیتوں میں قابلِ قدر اضافہ ہوا اور انکا کلام فکروں فن کی بلندیوں کو چھونے لگا جسکا اعتراف کرتے ہوئے موصوف نے اپنے استادِ مرحوم کو اپنے اشعار کے وسیلے سے جا بجا خراجِ عقیدت پیش کرکے اپنی سعادتمندی کا ثبوت فراہم کیا ہے۔ مثلاً

جیسے اربابِ ہنر میں تھے گرامی اقبالؔ
بس یوں ہی آپ بھی ارباب ہنر میں رہنا

آج کے دور میں اقبال گرامی یونہی
عظمتِ نام گرامی کو بڑھائے رکھیئے

لہٰذا اقبال گرامیؔ گلشنِ اربابِ ہنر میں آئے دن اپنی ہنرمندیوں کے گلہائے رنگارنگ مہکا رہے ہیں اور اپنے استاد گرامی چشتی کی پیروی کرتے ہوئے دور حاضر میں اپنے فقروفن کو معیار کی بلندیوں سے ہمکنار کر کے انکی عظمتوں میں اضافے کر رہے ہیں۔ یہ دیکھ

سے احتراز کرتے ہوئے اور مکھی پر مکھی نہ مارتے ہوئے کلاسیکی شعر وادب کا مطالعہ کر رہے ہیں اور لازوال روایت کے بیش بہا ذخیرے سے حتی المقدور فیض یاب بھی ہو رہے ہیں۔ جسکی اکثر مثالیں انکے اشعار میں جا بجا مل جاتی ہے۔ مثلاً ۔

پھول دامن میں تو آنچل میں ستارے بھر کر
میر کی قبر پہ غالب کی غزل آئی ہے
اقبال نے لکھی تھی ترے ہجر میں غزل
سو وہ جناب میر کی تصویر بن گئی

غالب کی غزل کا دامن میں پھول اور کانٹے سمیٹ کر میر کی قبر پر آنا اور محبوب کے ہجر میں لکھی گئی غزل کا میر کی تصویر بن جانا اقبال گرامی کے اپنے اسلاف کے سرمایے سے استفادہ کی نادر مثالیں ہیں۔ میر کے لب ولہجہ سے معمور اور غالب کے رنگ و آہنگ میں شرابور اقبال گرامی کے مزید چند اشعار ملاحظہ کیجیے۔

کسی کی ریشمی زلفوں کو چھو کر
اندھیرے کو نکھرنا آگیا ہے
خود نمائی عزیز تھی ورنہ
ڈوبتا کیوں اُبھارنے والا
کہاں تک کروگے جگر کو لہو
میاں ! آبیاری بہت ہوگئی
مجھ کو شاعر بنا گیا اقبال
حادثہ ایک آنسوؤں والا
فطرتاً عشق تو معصوم ہے معصوم مگر
حسن تصویر کے پردے میں بھی نکلا

اس آخری شعر میں غالب کے شعر سے استفادہ ہے لیکن اقبال گرامی نے اپنے شعر سے ایک نیا مفہوم برآمد کیا ہے۔ غالب کے یہاں قیس تصویر کے پردے سے عریاں نکلتا ہے جبکہ اقبال گرامی کو تصویر کے پس پردہ حسن کا چنچل پن نظر آتا ہے۔

جہاں تک اقبال گرامی کے اسلاف سے استفادہ اور اثر پذیری کا تعلق ہے قابلِ ذکر بات یہ کہ موصوف محض میر و غالب ہی کے لہجے کے اسیر ہو کر نہیں رہ گئے بلکہ بقول انکے۔

غالب و میر سے ہٹ کر بھی ہیں کچھ نام اقبال
مجھ میں احساس کی شدّت کو جگانے والے

اور ان میں سب سے اہم نام دورِ حاضر کے بلا مبالغہ سب سے الگ تھلگ اور منفرد لب و لہجے کے شاعر و ادیب اور شہر کھنڈوا کے نام کو عالمی ادب کے نقشے پر جگمگا دینے والے مظفر حنفی کا ہے جو اقبال گرامی کے احساسات کو مسلسل بیدار رکھتے ہیں اقبال گرامی نے اپنے کئی اشعار کے وسیلے سے مظفر حنفی کی عظمتوں کا اعتراف کرتے ہوئے ان سے اثر پذیری کا اظہار و اعتراف کیا ہے۔

جیت تو ہے مظفر حنفی کی
میں ہوں اقبالؔ ہارنے والا
تائید حق میں جان کی پرواہ نہ کرے
اقبال کب ملیں گے مظفر سے آدمی

اور مظفر حنفیؔ کی ردیف میں انکی طویل غزل کے یہ چند اشعار۔

بحرِ فن گوہرِ نایاب مظفر حنفی
آج کے دور کا سیماب مظفر حنفی

میر کی فکر تو انداز غزل غالب کا
شہر دانش کی تب وتاب مظفرحنفی
جسکی تعبیر ہے اقبالؔ مرے شعروں میں
ہے گرامیؔ کا وہی خواب مظفرحنفی

اقبالؔ گرامی کے شعروں میں انکے استاد مرحوم گرامیؔ چشتی کے خوابوں کی تعبیر کہیں کہیں راست انداز میں جھلکتی ہے اور وہ پر اعتماد لہجے میں مظفرحنفی سے اپنی ذہنی وفکری وابستگی کا اظہار کرتے ہیں مثلاً ؎

پوچھئے مظفرؔ سے سرزمین کھنڈوا پر
کون کون ہے اقبالؔ کون کون حالی ہے

اہل فن انجمن آرائی کی زحمت تو کریں
شہر کھنڈوا تمہیں اقبالؔ و مظفرؔ دے گا

اور اقبالؔ گرامی کے مزید چند اشعار جن میں فکر مظفر کے رنگ کی پرچھائیاں صاف محسوس کی جاسکتی ہیں ؎

لبوں پر وہ صداقت چاہتا ہے
مگر سر بھی سلامت چاہتا ہے

اشعار مرے واسطے پردہ ہے سخن کا
لکھتا ہوں میں حالات کی تفصیل غزل میں

نہیں ہے یہ اقبالؔ جاگیر کوئی
ادب پر کسی کا اجارہ نہیں ہے

چراغوں سے جلتے نہیں ہیں مکاں
ہوا کی شرارت ہے میرے عزیز
حاکمِ وقت کا قصیدہ لکھے
ہو غرض جسکو جاہ و منصب سے

اور آخر میں چند اشعار اقبالؔ گرامی کے انکے رنگ میں بھی ملاحظہ کیجئے ۔

مختارِ زمانہ بھی محتاج زمانہ بھی
اعمال بناتے ہیں انسان نہیں بنتا
سوا اسکا نہیں کس طرح کہاں گزرا
گزارنے کے لئے آئے تھے گزار چلے
تھی مشابہ اسکی صورت چاند سے
بن گئی ہے آج حصہ دھوپ کا
تعمیر کر رہے ہو غزل کا حسین تاج
اقبال کٹ نہ جائیں کہیں ہاتھ آپکے
دریا کی گہرائی سے
موتی لائیگا اقبال
ہر ایک شعر پہ صد مرحبا کی آوازیں
نشست میں کہیں اقبال خوش بیاں تو نہیں

اللہ کرے اقبال گرامی دریائے فن کی اتھاہ گہرائیوں سے فکر کے ایسے ایسے تابدار اور انمول گہر ہائے آبدار نکالتے رہیں کہ انکی تخیل آفرینی اور خوش بیانی کے ہر گہر پارے پر ہر جانب مرحبا صد مرحبا کی صدائیں اور تحسین و آفرین کا غلغلہ بلند ہو اور " احساساتِ اقبال " کو قبولیت خاص و عام کا شرف حاصل ہو۔

ڈاکٹر محبوب راہی
ضلع اکولہ (مہاراشٹرا)

حمد

پرور دگار تو ہی رحیم و کریم ہے
تیری ہی ذاتِ پاک تو سب سے عظیم ہے

وہم و گمان سے بھی ہے باہر تیرا وجود
ویسے تو ذرّے زرّے میں تو ہی مقیم ہے

جو بعد میں ہے سب ہے تیرے کن کا فیصلہ
ہے کن سے پہلے وہ تیری ذاتِ عظیم ہے

کیا کر سکیں کریم تیرا شکریہ ادا
حاصل کسے یہاں وہ زبانِ سلیم ہے

کیا ڈھونڈتا ہے چاند ستاروں میں آدمی
ہر بات کا پتہ تو قرآنِ حکیم ہے

اللہ کے احد کو سمجھنے کے واسطے
جو لفظ میرے سامنے آیا وہ میم ہے

اقبالؔ سب کرم ہے غفورالرّحیم کا
مجھکو سمجھ رہا تھا زمانہ یتیم ہے

"احساسات اقبال" کا مطالعہ کرنے والے یقیناً تسلیم کریں گے کہ اقبال گرامی وہ غیر تجسند اور خوددار شاعر ہیں جو قناعت کے ساتھ تنگدستی سے بسر کرنا قبول کرتے ہیں لیکن کسی کے آگے دستِ سوال دراز کرنا انہیں پسند نہیں ہے۔

ڈاکٹر مظفر حنفی

"احساسات اقبال" اقبال گرامی کا پہلا مجموعہ ہے جس میں فکر تازہ اور شدتِ احساس کی جلوہ نمائی ہے، جذبات کی توانائی اور فکر کی فراوانی ہے۔ اقبال گرامی نے پرانی روش کی پاسداری کرتے ہوئے نئی فکر کی شاہراہ پر قدم اُٹھائے ہیں اور انکا یہ سفر جاری ہے۔

ڈاکٹر سید صفدر رضا کھنڈوی

اقبال گرامی اپنے بیشتر سہل پسند ہم عصروں کی طرح نارے بازی سے احتراز کرتے ہوئے کلاسیکی شعر و ادب مطالعہ کر رہے ہیں اور لازوال روایت کے بیش بہا ذخیرے سے حتی المقدور فیض یاب بھی ہو رہیں ہے جسکی اکثر مثالیں انکے اشعار میں جا بجا مل جاتی ہیں۔

ڈاکٹر محبوب راہی

اقبال گرامی کا تصورِ فن بھی مشترکہ روایات کے تحفظ سے عبارت ہے۔ جب ہم انکا مجموعہ کلام پڑھتے ہیں تو پہلے ہی تاثر میں ہم اپنے تہذیبی و تاریخی اثاثے کی کشادگی سے روبرو ہوتے ہیں اور جیسے جیسے ہم آگے بڑھتے ہیں فن پارے کی جانی پہچانی فضا ہمیں اپنا شریک کر لیتی ہے۔

احمد کمال پروازی

"احساساتِ اقبال" اقبال گرامی کے نیرنگِ خیال کا خوبصورت مجموعہ ہے حالاں کہ ابتدائی کلام دیکھنے کے بعد انکی شاعرانہ حسیت یوں لگا دبی دبی سانسیں لے رہی ہے اُسے پوری طرح اُبھرنے کا موقع نہیں مل رہا ہے مگر آگے بڑھنے پر اس میں قدر اضافہ ہوا اور آخری ورق تک وہ پوری تابناکی کے ساتھ اُبھر آئی۔

سکندر عرفان

اقبال گرامی کا شعری مجموعہ "احساساتِ اقبال" اپنے خالق کی غیر معمولی حسیت بے پناہ جذبات اور عصری آگہی کا آئینہ دار ہے، موصوف کی اسی جذباتیت نے انہیں شعر گوئی کی ترغیب دی ہے کیونکہ شاعری ہی تو جذبات کی ترسیل کا سب سے موثر ذریعہ ہے۔

ڈاکٹر [illegible]

نعت شریف

تم ہی سے آبروئے زندگی ہے یا رسول اللہ
تم ہی سے زندگی کی ہر خوشی ہے یا رسول اللہ

تم ہی سے رنگ پھولوں میں ہے، کلیوں میں، نظاروں میں
تم ہی سے ہر چمن میں تازگی ہے یا رسول اللہ

تم ہی سے عظمتِ سجدہ ہتم ہی سے عظمتِ کعبہ
تم ہی سے بندگی کی بندگی ہے یا رسول اللہ

تم ہی سے عظمتِ کونین بھی ہے علم و دانش بھی
تم ہی سے آبروئے آدمی ہے یا رسول اللہ

تم ہی سے عاصئِ اقبال کا ایمان روشن ہے
تم ہی سے آس بخشش کی لگی ہے یا رسول اللہ

غزل

داغِ دل کی روشنی تا حشر تابندہ رہے
ہم رہیں جب تک نظامِ سوز بھی زندہ رہے

سوزِ غم اتنا خیالِ سوز آئندہ رہے
کوئی کب تک ہجر میں جلتا رہے زندہ رہے

چار آنسو چھوڑ جائیں آشیاں کی خاک پر
برق کی خاطر کہاں تک کوئی شرمندہ رہے

اے ستم گر یہ دعائیں ہیں دلِ مظلوم کی
تو، تیرا جور و ستم تا حشر پائندہ رہے

وہ عطا کیجئے نہ پھر اُٹھے کہیں دستِ سوال
کیوں کسی کے سامنے اقبالؔ شرمندہ رہے

غزل

کہئیے جوابِ حسنِ وفا ہم ہوئے کہ تم
شانِ چمن پہ ہنس کے فدا ہم ہوئے کہ تم

ہر چند کہ سفینہ بچاتے رہے مگر
آخر شکارِ موجِ بلا ہم ہوئے کہ تم

تم بھی وفا پرست تھے ہم بھی وفا پرست
پھر راہِ امتحاں سے جدا ہم ہوئے کہ تم

پھولوں سے پوچھتی ہے یہ کانٹوں کی بیکسی
احسان مندِ بادِ صبا ہم ہوئے کہ تم

تم بھی رواں دواں تھے تو ہم بھی رواں دواں
اس رہگذر میں آبلہ پا ہم ہوئے کہ تم

کچھ لوگ پوچھتے ہیں بڑے اعتماد سے
اقبالؔ زندگی کی ادا ہم ہوئے کہ تم

غزل

داستاں جو بیان ہوتی ہے
چند لفظوں میں جان ہوتی ہے

مدّعی، چل کے دیکھ شانِ خدا
ہاں ! مزاروں میں جان ہوتی ہے

جس کو چاہے وہ سرفراز کرے
کیا فقیری میں شان ہوتی ہے

ان کے کوچہ کی سرزمیں توبہ
ہو بہ ہو آسمان ہوتی ہے

بت لرزتے ہیں خوف سے اقبالؔ
جب حرم میں اذان ہوتی ہے

جملہ حقوق محفوظ

نام کتاب		احساساتِ اقبالؔ
شاعر		اقبالؔ گرامی
سنِ پیدائش		۲۳ دسمبر ۱۹۵۰ء
وطن	۔	کھنڈوہ (مشرقی نماڑ) مدھیہ پردیش
اشاتِ اوّل	۔	۲۰۰۵ء
پہلی بار تعداد	۔	پانچ سو
کمپوزنگ	۔	انڈین کمپیوٹر، کھڑک پورہ، کھنڈوہ
مطبع	۔	راجا آفسیٹ پرینٹرس، نہرو نگر، اندور
پبلشر	۔	طلسمِ حرف پبلکیشنز، املی پورہ، کھنڈوہ (ایم۔پی)
زرِتعاون	۔	ایک سو روپے
کتاب منگوانے کا پتہ۔		۱۔ اقبالؔ گرامی، کھڑک پورہ، کھنڈوہ (ایم۔پی)
		۲۔ طلسمِ حرف پبلکیشنز، املی پورہ، کھنڈوہ (ایم۔پی)

غزل

خموش گُل کی طرح کوئی بے زباں تو نہیں
سناؤں حال کسے کوئی رازداں تو نہیں

بساطِ ارض و سما پہ اندھیرا چھایا ہے
یہ میرا نالۂ غم ہے کوئی فغاں تو نہیں

یہ کیسا صحنِ چمن میں دھواں سا اُٹھتا ہے
کہیں یہ جلتا ہوا میرا آشیاں تو نہیں

نفس نفس تیرے جلوے کی آنچ لگتی ہے
تیرا وجود کہیں میرے درمیاں تو نہیں

ہر ایک شعر پہ صد مرحبا کی آوازیں
نشستِ میں کہیں اقبالِؔ خوش بیاں تو نہیں

غزل

تیری نظر کے بہانے تمام جھوٹے ہیں
ابھی ابھی میرے دامن کے تار ٹوٹے ہیں

کُچھ آئینے تیرے جلوں میں ڈھل گئے لیکن
کُچھ آئینے تیرے عکسِ جواں سے ٹوٹے ہیں

گری نظر سے غریبوں کو دیکھنے والے
یہی تو گلشنِ انسانیت کے بوٹے ہیں

ابھی سے حسن پریشاں ہے دیکھئے کیا ہو
ابھی تو صرف نظر کے حجاب ٹوٹے ہیں

ہمیں کو عظمتِ اقبالِ رنگ و بو کہیئے
مزے بہار کے ہم نے خزاں میں لوٹے ہیں

غزل

آرزوئے دلِ مجبور تمہیں کیا معلوم
تم ہو اپنے سے بہت دور تمہیں کیا معلوم

حسنِ معصوم کا نازک سا اشارہ پاکر
زندگی ہو گئی مغرور تمہیں کیا معلوم

دستِ نازک کو دلِ زار پہ رہنے دیجئے
درد ہو جائے گا کافور تمہیں کیا معلوم

یوں ہی دزدیدہ نگاہی سے مجھے دیکھا تھا
وار دل پہ لگا بھرپور تمہیں کیا معلوم

اپنی مخمور نگاہوں کا سہارا دے دو
دلِ اقبالؔ ہے رنجور تمہیں کیا معلوم

THIS EBOOK IS DOWNLOADED FROM
SHAAHISHAYARI.COM

LARGEST COLLECTION OF URDU
SHERS, GHAZALS, NAZMS AND EBOOKS.

غزل

تجھ کو معلوم کیا اے جانِ بہاراں کتنے
تیری خوشبو سے مہکتے ہیں گلستاں کتنے

تیری گستاخ نگاہوں میں حجاب آنے تک
چاک ہو جائینگے دامان و گریباں کتنے

کل تو دریاؤں میں طوفان اٹھا کرتے تھے
آج ساحل پہ اٹھا کرتے ہیں طوفاں کتنے

صرف دھوکا ہے مسیحا کی نظر کا ورنہ
زخم چہروں پہ لئے پھرتے ہیں انساں کتنے

علم انسان کی معراجِ حقیقت کہیئے
علم سے ہوتے ہیں اقبالؔ درخشاں کتنے

غزل

جب تک غمِ الفت کا ارمان نہیں بنتا
دیوا نہ حقیقت کی پہچان نہیں بنتا

مختارِ زمانہ بھی محتاج زمانہ بھی
اعمال بناتے ہیں انسان نہیں بنتا

یا عظمتِ مسجد ہو یا رونقِ مندر ہو
پتھر کسی صورت میں بھگوان نہیں بنتا

خاموش کنارے سے یہ راز ہوا روشن
موجوں کے تسلسل سے طو فان نہیں بنتا

ہوتا نہ اگر ان کا اقبالؔ کرم شامل
انسان حقیقت میں انسان نہیں بنتا

غزل

کتنے معصوم کتنے پیارے ہیں
جو تمہاری نظر کے مارے ہیں

فرق موت و حیات کیا معنی
ایک دریا کے دو کنارے ہیں

جیت لیں گے وہ دل زمانے کا
کچھ مقدمے جو ہم نے ہارے ہیں

دے رہے ہیں سراغِ مستقبل
کیا یہ نقشِ قدم تمہارے ہیں

عشق کے پاس کیا ہے تنہائی
حسن کے پاس چاند تارے ہیں

ہم نے اقبالؔ خود کو الجھا کر
راہ کے پیچ و خم سنوارے ہیں

غزل

جوانی کو دلکش بناتا چلا جا
محبت میں خود کو مٹاتا چلا جا

پیامِ محبت سناتا چلا جا
زمانے کو بے خود بناتا چلا جا

دعا دینگے تجھ کو اندھیروں کے مارے
دیئے کی طرح دل جلاتا چلا جا

صداقت کی نازک کسوٹی پہ ہمدم
ہر اک شخص کو آزماتا چلا جا

خلوص و محبت کا پانی چھڑک کر
عداوت کے شعلے بجھاتا چلا جا

تخیل کی بنجر زمینوں پہ اقبالؔ
محبت کے گلشن بساتا چلا جا

غزل

چاندنی گد گدا رہی ہو گی
رات رانی لجا رہی ہو گی

دل کی دنیا سجا رہی ہو گی
آرزو گُنگُنا رہی ہو گی

موت کا دل دھڑک رہا ہوگا
سانس جا جا کے آ رہی ہوگی

شام سورج کی پالکی لے کر
شہر سے گاؤں جا رہی ہو گی

بند کمرے میں نرم خاموشی
روشنی میں نہا رہی ہو گی

کوئی ارماں نکل گیا ہو گا
زندگی مسکرا رہی ہوگی

دل پریشان، زلف ہے برہم
یادِ اقبالؔ آ رہی ہو گی

غزل

چھیڑ کر ساز، دل کے تاروں کو
ہم نے بہلایا ماہ پاروں کو

وہ جو لے کر بہار آئے تھے
ساتھ میں لے گئے بہاروں کو

دورِ حاضر کا دیکھئے اعجاز
پھول چبھنے لگے ہیں خاروں کو

ہم سے ہے آبروئے نازِ چمن
ہم نے سینچا ہے ان بہاروں کو

یہ بھی ایک نیک کام ہے اقبالؔ
تم سہارا دو بے سہاروں کو

احساساتِ اقبالؔ

غالبؔ و میرؔ سے ہٹ کر بھی ہیں کچھ نام اقبالؔ
مجھ میں احساس کی شدّت کو جگانے والے

اقبالؔ گرامی

غزل

مجھے غم دے کے او بیتابیٔ دل دیکھنے والے
کبھی طوفان بھی دیکھے ہیں ساحل دیکھنے والے

محبت کو سمجھ لینا بڑی نازک حقیقت ہے
جنوں کو برسرِ طوق و سلاسل دیکھنے والے

تعجب کیا کسی دن یہ تیرے در تک پہنچ جائیں
میرے نقشِ قدم منزل بہ منزل دیکھنے والے

بتا کیا تونے اپنا نامۂ اعمال دیکھا ہے
کسی کے مرمریں رخسار کا تِل دیکھنے والے

یقیناً تیرے سینے میں کوئی پتھر کا دل ہوگا
سلگتی دو پہر میں رقصِ بسمل دیکھنے والے

اسی کا نام حسن و عشق کی معراج ہے اقبالؔ
مجھے بھی دیکھتے ہیں تیری محفل دیکھنے والے

غزل

خاکی ہوں خاکسار ہوں خودسر نہیں، ہوں میں
انکی نظر میں پھول ہوں۔ پتھر نہیں ہوں میں

کیا تبصرہ کروں میں حدیثِ حیات پر
مانوس اپنے آپ سے اکثر نہیں ہوں میں

گو روحِ کائنات ہوں اے جانِ کائنات
دارا کی شان، بختِ سکندر نہیں ہوں میں

یا رو! کہاں سے لاؤں میں انداز شاعری
غالبؔ امیر و حسرتؔ و مضطرؔ نہیں ہوں میں

ساقی فروغِ جم کے تنزل پہ غور کر
جو گر کے ٹوٹ جائے وہ ساغر نہیں ہوں میں

اقبالؔ یہ کرم ہے کسی کی نگاہ کا
ورنہ کسی کی راہ کی ٹھوکر نہیں ہوں میں

غزل

جدھر دیکھتا ہوں جہاں دیکھتا ہوں
تیرے حسن کی جھلکیاں دیکھتا ہوں

غضب ہے کہ چلمن اٹھانے سے پہلے
لرز تی ہوئی انگلیاں دیکھتا ہوں

بچا اپنے جلوں کو اے حسن والے
میں خود کو تیرے درمیاں دیکھتا ہوں

نظر در نظر تیرے جلوں کا عالم
زمیں در زمیں آسماں دیکھتا ہوں

کبھی تیرگی میں کبھی روشنی میں
تصوّر کی پرچھائیاں دیکھتا ہوں

یہ دورِ تنزل ہے اقبالؔ شاید
حقیقت پہ پا بندیاں دیکھتا ہوں

غزل

حسرت و یاس کا جنگل ہوں مجھے دیکھ تو لے
شدّتِ درد سے بے کل ہوں مجھے دیکھ تو لے

دل تیرے پیار کے قابل نہ سہی یوں ہی سہی
میں تیرے پیار کا کاجل ہوں مجھے دیکھ تو لے

جس کے ہر تار میں ہے تیرے بدن کی خوشبو
میں وہی ریشمی آنچل ہوں مجھے دیکھ تو لے

اب تو تپتے ہوئے صحرا کے سوا کچھ بھی نہیں
تجھ پہ برسا ہوا بادل ہوں مجھے دیکھ تو لے

کل کسی گاؤں کا خاموش دیا ہے اقبالؔ
اب تیرے شہر کی ہلچل ہوں مجھے دیکھ تو لے

غزل

چاہتوں کا یونہی ماحول بنائے رکھیئے
زندگی میل ملاپوں سے سجائے رکھیئے

دل کے زخموں کو ابھی آپ چھپائے رکھیئے
پھول ہونٹوں پہ تبسم کے کھلائے رکھیئے

کوئی آندھی کوئی طوفان کوئی عالم ہو
دل سے دل سینے سے سینے کو لگائے رکھیئے

روشنی جسکی ہر ایک راہ گزر تک پہنچے
اِک چراغ ایسا سرِ راہ جلائے رکھیئے

گھات میں بیٹھے ہیں کچھ لوگ شکاری کی طرح
ساتھیو ! ملک کو مضبوط بنائے رکھیئے

آج کے دور میں اقبالؔ گرامی، یونہی
عظمتِ نامِ گرامیؔ کو بڑھائے رکھیئے

غزل

فطرتِ حسنِ ادا اور ہوا کرتی ہے
عظمتِ جانِ وفا اور ہوا کرتی ہے

آپ کو طوقِ و سلاسل پہ بھروسا ہے مگر
جرمِ الفت کی سزا اور ہوا کرتی ہے

عظمتِ بادِ صبا بھی مجھے تسلیم مگر
انکے آنچل کی ہوا اور ہوا کرتی ہے

یوں برسنے کو برستی ہیں گھٹائیں لیکن
دل پہ برسے جو گھٹا اور ہوا کرتی ہے

تم تو خوش حال ہو اقبالؔ تمہیں کیا معلوم
کشتۂ غم کی دوا اور ہوا کرتی ہے

غزل

بجھے بجھے سے دن و رات چھوڑ جائے گا
وہ اپنے عشق کی سوغات چھوڑ جائے گا

اگر نصیب، محبت میں چاندنی ہو گی
مرے لئے بھی وہ اک رات چھوڑ جائے گا

اگر چلا بھی گیا تو سکون کی خاطر
وہ اپنی یادوں کی بارات چھوڑ جائے گا

ملا ہے راہ میں جو شخص آشنا کی طرح
گیا تو زخمِ ملاقات چھوڑ جائے گا

بڑا شریر ہے اقبالؔ وہ بچھڑ کر بھی
مزے مزے کی شکایات چھوڑ جائے گا

غزل

انہیں جب سے سنورنا آ گیا ہے
مجھے فریاد کرنا آگیا ہے

کسی کی ریشمی زلفوں کو چھو کر
اندھیرے کو نکھرنا آگیا ہے

جمال آرائیوں سے فائدہ کیا
سمندر کو اُترنا آگیا ہے

خدا محفوظ رکھے تجھ کو ظالم
مجھے دب کر اُبھرنا آگیا ہے

جنوں کی مہر بانی ہے کہ مجھ کو
گریباں چاک کرنا آ گیا ہے

ہر اک منزل سے اب اقبالؔ مجھ کو
سلیقے سے گزرنا آگیا ہے

غزل

عجیب منظرِ بیکل دکھائی دیتا ہے
چمن بہ صورتِ جنگل دکھائی دیتا ہے

نگاہِ ناز کی انگڑائیاں ارے توبہ
زمانہ نیند سے بوجھل دکھائی دیتا ہے

جھکی جھکی ہوئی بوجھل حسین آنکھوں میں
شبِ وصال کا کاجل دکھائی دیتا ہے

تمہاری مست نظر کا کمال ہے جو بھی
بھری جوانی میں پاگل دکھائی دیتا ہے

میں اپنی ذات کی تکمیل کیا کروں اقبالؔ
تمہارا حسن، مکمل دکھائی دیتا ہے

غزل

ہو گئی آج بعنوان ہمیشہ کے لئے
آپ سے تھوڑی سی پہچان ہمیشہ کے لئے

چند لمحوں کے لئے آ کے چلا جاتا ہے
کبھی رکتا نہیں طوفان ہمیشہ کے لئے

مل گئے مجھکو سرِراہ ترے نقش قدم
مشکلیں ہو گئیں آسان ہمیشہ کے لئے

زندہ رہتا ہے کئی روپ کئی رنگوں میں
کوئی مرتا نہیں انسان ہمیشہ کے لئے

پھیر لی سبز درختوں سے پرندوں نے نظر
بارشیں ہو گئیں ویران ہمیشہ کے لئے

یہ بھی اسکے ہی کرم کا ہے صلہ اے اقبالؔ
ہوگئی سب سے ہی پہچان ہمیشہ کے لئے

تعارّف

نام	۔	اقبال احمد
والد کا نام	۔	عبدالمجید
تخلص	۔	اقبالؔ گرامی
تلمذ	۔	جناب احمد علی گرامیؔ چشتی مرحوم
شعری سفر کی ابتدا	۔	۱۹۶۴ء
پیشہ	۔	ملازمت بھارتیہ اِسٹیٹ بینک
تعلیم	۔	ٹیکنیکل میں ڈپلوما
تاریخِ پیدائش	۔	۲۳ر دسمبر ۱۹۵۰ء
جائے پیدائش	۔	شہر کھنڈوہ (ایم۔پی۔)
نام مجموعۂ کلام	۔	احساساتِ اقبال

پتہ :۔ اقبالؔ گرامی، کھڑک پورہ۔ کھنڈوہ (مدھیہ پردیش)

غزل

بہت ہی سوچ سمجھ کر یہ مشغلہ رکھنا
ہوا کے سامنے جلتا ہوا دِیا رکھنا

چراغِ حسن سرِ انجمن جلا رکھنا
نقابِ عارضِ روشن ذرا اٹھا رکھنا

کسی سے عشق کا اظہار اس زمانے میں
ہے پتھروں کے مقابل میں آئینہ رکھنا

حضور ترکِ تعلق کا فیصلہ تسلیم
نوازشوں کا مگر کچھ تو سلسلہ رکھنا

وہ شخص چیختا پھرتا ہے آج سڑکوں پر
مصیبتوں میں جو کہتا تھا حوصلہ رکھنا

بناؤ شوق سے اونچی عمارتیں لیکن
کسی فقیر کے آنے کا راستہ رکھنا

ضرور لوٹ کے آئے گا ایک دن اقبالؔ
یونہی امید کا دروازہ تم کھلا رکھنا

غزل

سقراط اور مسیح کی صورت خرید یئے
سچ بولئے جہاں کی عداوت خرید یئے

مفلس کو اس جہاں میں کوئی تولتا نہیں
دولت اگر ہے پاس تو عزت خرید یئے

معیارِ زندگی کا تقاضہ ہے دوستو
بازارِ زندگی سے محبت خرید یئے

کچھ دیر اس فقیر کی محفل میں بیٹھ کر
دونوں جہاں کی عزت و عظمت خرید یئے

لیلائے عصرِ نو کے دریچے سنوار کر
مجنوں کی طرح آپ بھی شہرت خرید یئے

اندھا فقیر بیچ رہا ہے گلی گلی
تاریکیوں سے چشمِ بصیرت خرید یئے

سچا خلوص، سچی وفا، سچی دوستی
اقبالؔ گر ملے کسی صورت خرید یئے

غزل

بالکل ایسا ہے زمانے کی نظر میں رہنا
جیسے کچھ دیر مسافر کا سفر میں رہنا

میں تمہیں کوئی حویلی تو نہیں دے سکتا
میرے محبوب میرے دل میں جگر میں رہنا

زندگی میری فروزاں ہے تمہارے دم سے
چاند ہو چاندنی بن کر میرے گھر میں رہنا

بے وفائی کوئی مجبوری بھی ہو سکتی ہے
پھر بھی ملتے ہوئے ہر راہ گزر میں رہنا

پرتوِ عارضِ پُرنور گھنی زلفوں میں
جیسے سورج کا حجاباتِ سحر میں رہنا

جیسے اربابِ ہنر میں تھے گرامؔی، اقبالؔ
بس یونہی آپ بھی اربابِ ہنر میں رہنا

غزل

پھر کوئی روپ سا دھوؤں والا
پھر کوئی چاند گیسوؤں والا

زندگی کے اجاڑ صحرا میں
پھول کوئی ہو خوشبوؤں والا

گوپیاں سج رہی ہیں شہروں میں
گاؤں سونا ہے گھنگروؤں والا

کھوٹے سکّے، سیاسی باٹوں میں
تولتا ہے ترازوؤں والا

ہے اپاہج کی حکمرانی میں
کل جو بنتا تھا بازوؤں والا

مجھ کو شاعر بنا گیا اقبالؔ
حادثہ ایک آنسوؤں والا

غزل

دور رہ کر قریب ہوتے ہیں
دل کے رشتے عجیب ہوتے ہیں

جن کو ملتی ہے درد کی دولت
وہ بڑ ے خوش نصیب ہو تے ہیں

ڈوب کر تیری مست آ نکھو ں میں
مرنے والے نقیب ہوتے ہیں

چہچہاتے نہیں بہاروں میں
کچھ پر ند ے عجیب ہو تے ہیں

سا ری دنیا خرید نے و الے
گو بظاہر غر یب ہو تے ہیں

دوستو ں کے ملباس میں ا قبا لؔ
معاف کیجیے رقیب ہو تے ہیں

غزل

شہر کے ماحول سے گھبرا گئی دیوانگی
دشت نے جب دی صدا لہرا گئی دیوانگی

پتھروں سے دل پگھل کر پانی پانی ہوگئے
آئینوں کے سامنے جب آ گئی دیوانگی

ڈھونڈتے ہیں بستیوں میں جنکو اربابِ وفا
جنگلوں میں پھول وہ برسا گئی دیوانگی

چاند جب سمٹا لرزتی چاندنی کی گود میں
میں یوں دیوانہ ہوا شرما گئی دیوانگی

اہلِ دانش سے نہ سلجھائی گئی جو گتھیاں
دار پر پل بھر میں وہ سلجھا گئی دیوانگی

جانے کیسا کرب تھا اقبالؔ غم کی دھوپ میں
پھول کے مانند جو مرجھا گئی دیوانگی

غزل

رات سہاگن بن جائے گی جب ساجن گھر آئینگے
لال چنریا لہرائے گی جب ساجن گھر آئینگے

آشاؤں کے پھول کھلیں گے سندرتا کی بگین میں
نیند آنکھوں سے اُڑ جائے گی جب ساجن گھر آئینگے

ہولے ہولے دل دھڑکے گا نازک تن پھڑکے گا
رُت پائیلیہ کھنکائے گی جب ساجن گھر آئینگے

پیاری پیاری باتیں ہونگی، جانے کیا کیا گھاتیں ہونگی
چاند پہ بدلی چھا جائے گی جب ساجن گھر آئینگے

بھیگی بھیگی پُروائی میں ایک نویلی تنہائی میں
شرمائے گی، گھبرائے گی جب ساجن گھر آئینگے

ساون میں اقبالؔ پڑینگے جب امواکے پیڑ پہ جھولے
روپ کلی کھل جائے گی جب ساجن گھر آئینگے

غزل

ہو کے شرمندۂ اخلاق برابر دے گا
کوئی مجھ کو بھی چھلکتا ہوا ساغر دے گا

پھول دے گا مجھے جس شخص سے امیدیں تھیں
کیا خبر تھی کہ سلگتے ہوئے پتھر دے گا

ایک نئے موڑ پہ تاریخِ زمانہ ہو گی
جب مجھے صبر کی تلقین ستمگر دے گا

راہ بھٹکے ہوئے انساں کی ہدایت کے لئے
کب تلک وہ بھی زمانے کو پیمبر دے گا

تشنگی دن کے اجالے میں بڑھا کر دل کی
رات بھر کوئی مجھے خوابِ سمندر دے گا

اہلِ فن انجمن آرائی کی زحمت تو کریں
شہر کھنڈوہ تمہیں اقبالؔ و مظفرؔ دے گا

غزل

مانا کہ میں نہیں تو وفادار کون تھا
یہ تو بتایئے کہ سرِدار کون تھا

تاریخِ مصر آپ کو شاید بتا سکے
کس کی پسند میں تھا خریدار کون تھا

منصف کی خامشی میرے دعوے کی تھی دلیل
کس نے کیا تھا جرم سزاوار کون تھا

کیوں لوگ پڑھ کے سرخیِ اخبار رو دیئے
کیسی خبر تھی صاحبِ کردار کون تھا

پوچھے تو کوئی شہر نگاراں کی دھوپ سے
کس پہ پڑا تھا سایۂ دیوار کون تھا

جس پہ ہوئی تھی سنگِ ملامت کی بارشیں
بازار میں وہ رونقِ بازار کون تھا

پوچھیں گے میرے بعد یہ اربابِ فکر وفن
اقبالؔ شہر کھنڈوہ میں فن کار کون تھا

غزل

پھول دامن میں محبت کے لئے چل نکلا
نیکیاں بانٹنے گھر سے کوئی پاگل نکلا

اب کے تقدیر کے پاؤں میں بھی چکّر نکلے
اب کے موسم بھی تو برسا ہوا بادل نکلا

عشق نے یوں تو کئی بار ابھارے سورج
وادیِ حسن کا دروازہ مقفل نکلا

فطرتاً عشق تو معصوم ہے معصوم مگر
حسن تصویر کے پردے میں بھی چنچل نکلا

اب کے ہر گوشۂ گلشن سے کراہیں ابھریں
اب کے ہر پھول کی آغوش میں مقتل نکلا

جبکہ ہر شخص کو آرام و سکوں تھا حاصل
کیوں تیری بزم سے اقبالؔ ہی بیکل نکلا

انتساب

میں اپنی اس اولین شعری کاوش کو اپنے احساس کی گہرائیوں سے اور نیک جذبات کے ساتھ شہسوارِ ادب، بیباک صحافی، معروف سُخنور اور اُردو کے نام ور ادیب وشاعر نیز میرے اُستاد محترم جناب احمد علی گرامیؔ چشتی مرحوم کی ذات سے منسوب کرتا ہوں جنکی رہنمائی اور شفقت کے زیرِ سایہ اس مجموعہ کی تکمیل تک پہنچ سکا ہوں۔

اقبالؔ گرامی
کھڑک پورہ، کھنڈوہ

غزل

زندگی کے چہرے پر نور ہے نہ لالی ہے
ڈوبنے کو ہے سورج شام ہونے والی ہے

چاندنی کے شانے پر وہ کھلے کھلے گیسو
چاند کی منڈیروں پر چھاؤں کالی کالی ہے

رات کے دریچے سے دیکھ دیکھ کر تجھ کو
صبح صبح سورج نے روشنی چرالی ہے

نرم نرم کلیوں کے زرد چہرے ہیں
غنچہ غنچہ گلشن میں رنگ و بو سے خالی ہے

جو صدی سنواری تھی داغؔ اور مومنؔ نے
اس صدی کی چوکھٹ پہ یہ صدی سوالی ہے

بھولی بسری یادوں کے ریشمی تقاضوں پر
ہم نے اک نئی بستی گاؤں میں بسالی ہے

پوچھیئے مظفرؔ سے سر زمینِ کھنڈوہ پر
کون کون ہے اقبالؔ کون کون حالیؔ ہے

غزل

لاکھ میں اپنی کوششوں میں رہوں
اس کی مرضی ہے گردشوں میں رہوں

کسی میلے میں بیچ دے مجھ کو
یوں ہی کب تک نمائیشوں میں رہوں

دھوپ ہی دھوپ زندگی لیکن
کوئی برسے تو بارشوں میں رہوں

یہ جنوں ہے کہ آرزوئے جنوں
رات دن تیری خواہشوں میں رہوں

میرے شانے پہ ہاتھ رکھ دے نا
جب سرِ حشر پُرششوں میں رہوں

میں وہ شاعر نہیں ہوں جو اقبالؔ
نقطہ چینوں کی شازشوں میں رہوں

غزل

یہ غم نہیں ہے محبت میں دل کو ہار چلے
کسی کی زلف پریشاں کو ہم سنوار چلے

سوال اس کا نہیں کس طرح کہاں گزری
گزارنے کے لئے آئے تھے گزار چلے

جو ہم چلے تو چلیں گردشیں زمانے کی
جو تم چلو تو زمانے کا کاروبار چلے

یہ کیا جنوں کہ چلے اور چل کے رُک جائے
جنوں تو وہ ہے کہ دامن کا تارتار چلے

کسی طرح کسی صورت خدا کو ہم اقبآل
پکارنے کے لئے آئے تھے پکار چلے

غزل

دھوپ ہی دھوپ اگر آس کا آنچل دے گا
کون تپتے ہوئے صحراؤں کو بادل دے گا

جانے کب تک شجرِ جاں یہ دعائیں مانگے
جانے کب شاخِ تمنا کو کوئی پھل دے گا

کیا خبر تھی جسے ہمراز چنا ہے میں نے
موسمِ گل میں وہی کرب کے جنگل دے گا

اہلِ دانش تو تجھے صرف تسلی دیں گے
زندگی تجھ کو پنا ہیں کوئی پاگل دے گا

بھائی اس شخص سے امیدِ کرم ٹھیک نہیں
آج جو دے نہ سکا کیا وہ تجھے کل دے گا

حوصلہ شرط ہے اقبال بقولِ شاعر
مشکلیں جس نے عطا کیں ہیں وہی حل دے گا

غزل

دیکھا کمالِ مست نظر آگ لگ گئی
پانی برس رہا تھا مگر آگ لگ گئی

میں جس طرف چلا ہوں کھلے راستے میں پھول
تم جس طرف سے گزرے اُدھر آگ لگ گئی

خوابوں کی سر زمیں پہ بڑے اعتماد سے
میں نے سجایا گھر کو مگر آگ لگ گئی

رو رو کے ایک شخص دعا مانگتا رہا
جب آ گیا دعا میں اثر آگ لگ گئی

مصرع عجیب لکھا تھا دریا کی ریت پر
پانی میں تھا جو کانچ کا گھر آگ لگ گئی

اقبالؔ جھونپڑوں میں جو رہتے تھے کچھ غریب
ہم کو ملی ہے آج خبر آگ لگ گئی

غزل

منصفِ شہر سے سولی کی سزا پائی ہے
جرم یہ ہے کہ لبوں پر مرے سچائی ہے

کیا کبھی ایسی بھی آئی تھی گلستاں میں بہار
دلکشی کلیوں میں نہ پھولوں میں رعنائی ہے

آپ کا شہر بھی مقتل کی طرح لگتا ہے
بھیڑ خاموش ہے لاچار مسیحائی ہے

آج پھولوں میں نہ خوشبو ہے نہ رنگت کوئی
اور نہ کانٹوں ہی سے خوشبوئے وفا آئی ہے

پھول دامن میں تو آنچل میں ستارے بھر کر
میرؔ کی قبر پہ غالبؔ کی غزل آئی ہے

شہر کی ساری اداسی تھی جو مہماں بن کر
رات اقبالؔ میرے گھر میں چلی آئی ہے

غزل

آج اس نے بڑے دلچسپ کرم کر ڈالے
مجھکو چھوڑا تو میرے ہاتھ قلم کر ڈالے

میں تو اپنی جگہ معمولی سا خادم تھا مگر
تو سکندر تھا تو کیوں آئینے کم کر ڈالے

اس نے دیوانوں کو سولی کی سزائیں دیکر
دیدۂ حلقۂ زنجیر بھی نم کر ڈالے

بہرِ اُمید بھلا اس کی طرف کیا دیکھیں
اس کو کرنا تھے ستم اس نے ستم کر ڈالے

کتنا دلکش تھا یہ اعجازِ نگاہی اس کا
کھلتے پھولوں کو بھی پتھر کے صنم کر ڈالے

چاک دامان و گریبان کو سی کے اقبال
دور ہم نے تیری آنکھوں کے بھرم کر ڈالے

غزل

بحرِ فن گوہرِ نایاب، مظفرؔ حنفی
آج کے دور کا سیماب، مظفرؔ حنفی

میرؔ کی فکر تو اندازِ غزل غالبؔ کا
شہرِ دانش کی تب و تاب مظفرؔ حنفی

مسکراتا ہوا اک باغِ تخیّل کا گلاب
ریشم و اطلس و کمخواب مظفرؔ حنفی

مہ جبینوں کے لئے شہرِ گرامیؔ کا مجاز
سازِ دل کے لئے مضراب مظفرؔ حنفی

آپ کا زورِ سخن اور بڑھے اور بڑھے
ہے دعائے دلِ بیتاب مظفرؔ حنفی

جسکی تعبیر ہے اقبالؔ میرے شعروں میں
ہے گرامیؔ کا وہی خواب مظفرؔ حنفی

غزل

ناکام محبت ہوں مجبورِ تمنا ہوں
خاموش چٹانوں پہ ٹھہرا ہوا دریا ہوں

ان شوخ نگاہوں کا معصوم اشارہ ہوں
حالات کے پردے پر بکھرا ہوا جلوہ ہوں

آسان نہیں میری عظمت کو سمجھ لینا
لمحوں کی حراست میں صدیوں کا تقاضہ ہوں

ڈر ہے نہ بچھڑ جاؤں موجوں کے تھپیڑوں سے
آغوشِ سمندر میں سہما ہوا قطرہ ہوں

آلام کا پروردہ اقبالؔ سہی لیکن
سرتاجِ محبت ہوں سلطانِ زمانہ ہوں

غزل

وقت ہے روپ دھارنے والا
میں ہوں خود کو نکھارنے والا

خود نمائی عزیز تھی ورنہ
ڈوبتا کیا ابھارنے والا

اب برہنہ پڑا ہے کانٹوں پر
گل کے کپڑے اتارنے والا

حسن تھا یا کوئی سکندر تھا
آئینے کو سنوارنے والا

ہے کہاں آج اپنے چہرے پر
نقشِ ہستی ابھارنے والا

جیت تو ہے مظفرؔ حنفی کی
میں ہوں اقبالؔ ہارنے والا

احوالِ واقعی

میں ۲۳ دسمبر ۱۹۵۰ء کو شہر کھنڈوہ کے ایک متوسط گھرانے میں پیدا ہوا۔ والدِ محترم مرحوم عبدالمجید صاحب کا شہر کھنڈوہ کے معروف ٹیلروں میں شمار ہوتا تھا۔ گھر اور شہر کا ماحول خالص ادبی تھا، گھر میں اردو بولی اور سمجھی جاتی تھی۔ ہوش سنبھالا تو والدِ بزرگوار نے محلے کے اردو اور عربی مدرسہ میں داخل کرادیا عمر کے بیس ۲۰ برس گویا پر لگا کر اُڑ گئے۔ ان دنوں میں نے دیکھا کہ میرے چچا بشیر ہندی کی محفلِ شعروسخن میں طوطی بول رہی تھی اور گھر کے ایک کمرے میں میرے چچا بشیر ہندی ادبی سرگرمیوں سے ماحول کو گرمائے رکھتے تھے میں بھی چپکے چپکے شعروشاعری کی لذّتوں سے سرشار ہونے لگا۔ شعروسخن میں مجھے بڑا لطف آتا دل کہتا کہ میں بھی شعر کہوں۔ رفتہ رفتہ وہ وقت بھی آیا جب میرے قلم سے یہ پہلا شعر وجود میں آیا۔

وہ زہرہ جبیں مجھ پہ جب مہرباں تھا
ستاروں سے آگے مرا کارواں تھا

مجھے ایک عجیب طمانیت کا احساس ہوا میرے والدِ محترم کو جب میری شعرگوئی کا علم ہوا تو انہوں نے مجھے استاد محترم گرامی چشتی سے ملایا۔ اُنکے یہاں الطاف میں میرا شعری سفر شروع ہوا جو انکی زندگی تک چلتا رہا استاد کا انتقال پُر ملال ۲۱، دسمبر ۱۹۷۱ء میں ہوا۔ میرا یہ سفر ہنوز جاری ہے گو کہ میں ابھی طفلِ مکتب ہوں مگر احبابِ شعروسخن کا کہنا ہے کہ میں اچھے شعر کہتا ہوں۔

میرے قارئین وسامعین کا ایک بڑا حلقہ ہے جو مجھے کچھ کہنے اور لکھنے کی تحریک دیتا ہے۔ جس کی تکمیل، میں اپنی غزلوں کو ترتیب دے کر مجموعہ بعنوان "احساساتِ اقبال" کی اشاعت کی جسارت کر رہا ہوں حلقہ احباب اور ادبی دنیا میں اسکی پذیرائی ہوئی تو مجھے حوصلہ ملیگا اور ممکن ہے کئی شہ پارے جنم لینگے۔

اقبال گرامی

غزل

تپتے موسم کو دھیان میں رکھنا
کھڑکیاں کچھ مکان میں رکھنا

پیار سے دیکھنا پرندوں کو
تیر پھر بھی کمان میں رکھنا

کشتی طوفاں میں چھوڑ دیئے لیکن
کچھ ہوا بادبان میں رکھنا

سادگی رخ پہ پیار آنکھوں میں
پھول لیکن زبان میں رکھنا

آتشِ عشق تیز ہوتی ہے
حسن کو سائبان میں رکھنا

صورتِ آشیانہ ہے اقبالؔ
بجلیاں آسمان میں رکھنا

غزل

نہ چھیڑ بادِ صبا نغمۂِ بہار ابھی
کلی کے سوگ میں غنچے ہیں سوگوار ابھی

وضو خزاں کا اگر دیکھنا ہے گلشن میں
تو خاکِ گل سے تیمم کرے بہار ابھی

نگاہِ ناز کے کچھ اور ہی تقاضے ہیں
تڑپ تڑپ کے شبِ غم یونہی گزار ابھی

کسی کی زلفِ پریشاں سنوارنے والے
خود اپنے آپ کو اچھی طرح سنوار ابھی

خموشیوں سے تو ایسا گمان ہوتا ہے
میرے جنوں پہ نہیں اسکو اعتبار ابھی

کوئی بھی رُکتا نہیں تیرے واسطے اقبالؔ
تیری نگاہ میں کچھ کم لگے ہے پیار ابھی

غزل

لگتے ہیں برق برق کبھی مہر و ماہ سے
یہ کیا حسیں مذاق ہے میری نگاہ سے

مشتاقِ دید لوگ کھڑے ہیں پگاہ سے
لگتے ہیں یہ فقیر تیرے بادشاہ سے

اپنی نظر سے آپ نہ مجھ کو گرائیے
حالانکہ گرچکا ہوں میں سب کی نگاہ سے

لیتی ہے امتحان برہمن کی کاوشیں
عشرت پسند شیخ نکل خانقاہ سے

کل تو خزاں میں پھول کھلے تھے قدم قدم
اب ہیں بھری بہار میں گلشن تباہ سے

کب تک کسی کا بوجھ سنبھالے جہان میں
اقبالؔ خود نڈھال ہے بارِ گناہ سے

غزل

اے بتِ تاثیر تیرے گاؤں کی
ہے ہوا اکسیر تیرے گاؤں کی

قمریاں ، پگڈنڈیاں اور گھاٹیاں
دل نشیں تصویر تیرے گاؤں کی

بنتے بنتے بن گئی ہے آرزو
خوب ہے تاثیر تیرے گاؤں کی

اس حقیقت کے سوا کچھ بھی نہیں
تجھ سے ہے توقیر تیرے گاؤں کی

لائقِ عزت ہے وہ پائے جنوں
جس میں ہو زنجیر تیرے گاؤں کی

گرامیؔ قتلِ اقبالؔ گرامیؔ کے لئے
چاہیئے شمشیر تیرے گاؤں کی

غزل

سب بڑھاتے جا رہے ہیں اپنے قد کا دائرہ
کوئی پھیلاتا نہیں اپنی لحد کا دائرہ

خودکشی ہے ہاتھ پھیلانے کا مطلب دوستو
جان لے لیتا ہے اپنوں کی مدد کا دائرہ

اب نگاہوں کے لئے کافی نہیں ہے آسماں
اس سے آگے لیکے جاتا ہے خرد کا دائرہ

ذہن و دل احساس تک پرواز کرتے ہی نہیں
آدمی ورنہ بڑھا لے اپنے قد کا دائیرہ

ہے رگِ انسان میں خالص محبت کا لہو
توڑ کر باہر نکل آؤ حسد کا دائرہ

جتنے چاہیں لوگ رکھدیں حاشیے اقبالؔ پر
توڑ دے گا وہ صفر سے ہر عدد کا دائرہ

غزل

خنجر کسی کا پیٹھ میری ہاتھ آپ کے
کتنے بلند ہیں یہ خیالات آپ کے

ہمدردیوں کا ڈھونگ رچانا فضول ہے
چُھپتے نہیں ہیں چہروں پہ جذبات آپ کے

اگلی صدی بھی ڈھونڈ سکے گی نہ اسکا حل
پیچیدہ اس قدر ہیں سوالات آپ کے

دھندلا گئیں ہیں فکر میں آنکھیں غریب کی
سپنے تو سارے کھا گئے محلات آپ کے

نعرے ہیں اور بھیڑ ہے نیتا کے ساتھ ساتھ
ایسے میں کون سنتا ہے حالات آپ کے

تعمیر کر رہے ہو غزل کا حسین تاج
اقبالؔ کٹ نہ جائیں کہیں ہاتھ آپ کے

غزل

تمہارے وعدوں کی جھوٹی دلیل کتنے دن
کہ تشنہ کام کا صبرِ جمیل کتنے دن

چلو کہ سامنے آنا پڑے گا منزل کو
ہمارا راستہ ہوگا طویل کتنے دن

دُعا کی آگ تو دریا سکھانے والی ہے
ہماری آنکھ میں اشکوں کی جھیل کتنے دن

غرور کا بھی کسی دن طلسم ٹوٹے گا
رہے گی جھوٹی انا کی فصیل کتنے دن

یہ مصلحت یہ بناوٹ یہ دل فریب ادا
ہمارے صبر کو دیگی سبیل کتنے دن

لکیر ہاتھ کی لے آئی روشنی اقبالؔ
جھپٹتی مجھ پہ سیاہی کی چیل کتنے دن

غزل

اپنے ہی پیڑ سے سائے کو چرانے والے
کتنے خود غرض ہیں گھر چھوڑ کے جانے والے

سچے ہمدرد کی صورت نہیں ملتا کوئی
لوگ ملتے ہیں تو احسان جتانے والے

رکھ ذرا صبر بھی ساحل کے مزاجوں والا
اپنے افکار میں طوفان اُٹھانے والے

دھوپ تسکین کی سکّوں سے خریدی ہم نے
ہم ہیں چھاؤں کا پتہ چھوڑ کے جانے والے

آرزوؤں کا بھی اب بوجھ اٹھا سکتے نہیں
آسمانوں کو کبھی سر پہ اٹھانے والے

غالبؔ و میرؔ سے ہٹ کر بھی ہیں کچھ نام اقبالؔ
مجھ پہ احساس کی شدّت کو جتانے والے

غزل

دینے ہر شخص وفاؤں کی نشانی آ یا
میرے حصّہ میں فقط آنکھ کا پانی آ یا

داستاں اپنی سنانے کو زبانی آ یا
لے کے اقبال بھی تصویر پرانی آ یا

چاہ کر بھی کوئی بچّہ نہیں نکلا گھر سے
آج بستی میں بہت زور کا پانی آ یا

وہ ستاروں سے کیا کرتا ہے اکثر باتیں
اس کا خط لیکے نئی پھر سے کہانی آیا

تم اگر دیکھنا چاہو تو دکھاؤں تم کو
میں کہاں چھوڑ کے قدموں کی نشانی آیا

میرا بیٹا ہوا اقبالؔ برابر میرے
اس کا قد لیکے نئی پھر سے جوانی آیا

غزل

یہ دل چراغ سا روشن رہے، دُعا کرنا
میرے مزاج میں بچپن رہے، دُعا کرنا

جو آدمی کو فقط آدمی بناتی ہو
دلوں کے بیچ وہ دھڑکن رہے، دُعا کرنا

مکاں مکین کی بس اک یہی تمنا ہے
ہرا بھرا میرا آنگن رہے دُعا کرنا

کما تو لاؤں گا کرفیو میں روٹیاں لیکن
تمہارے ہاتھ میں کنگن رہے دُعا کرنا

وفا، خلوص، محبت، کرم، نیاز اقبالؔ
انہیں کے ہاتھ میں دامن رہے، دُعا کرنا

پیش لفظ

ڈاکٹر مظفر حنفی

(سابق پروفیسر اقبال چیئر)

"احساساتِ اقبال" کا مطالعہ کرنے والے یقیناً تسلیم کریں گے کہ اقبال گرامی وہ غیر تمند اور خوددار شاعر ہیں جو قناعت کے ساتھ تنگدستی سے بسر کرنا قبول کرتے ہیں لیکن کسی کے آگے دستِ سوال دراز کرنا انہیں پسند نہیں ہے۔

وہ عطا کیجئے نہ پھر اُٹھے کہیں دستِ سوال
کیوں کسی کے سامنے اقبال شرمندہ رہے

اُٹھا کر اسلیئے چلتے ہیں سر کو
ہمیں معلوم ہے قیمت سروں کی

اقبال گرامی نے اپنے آس پاس کی دنیا کو بہت قریب سے دیکھا ہے اور اس میں زندگی بسر کرنے والوں کی بیچارگی اور پسماندگی پر اُنہوں نے خون کے آنسو بہائے ہیں لیکن مجموعی اعتبار سے انکی شاعری حوصلہ مندی اور پیہم جدّ و جہد کرنے کا پیغام دیتی ہے ملاحظہ ہوں یہ اشعار۔

توجہ دو اقبال خود کی طرف
زمانے کی یاری بہت ہوگئی

گھر سے نکلے تو ملے ہیں غم کے مارے ہر طرف
ورنہ خود کو بس یک و تنہا سمجھ بیٹھے تھے ہم

تیرے بس کی بات نہیں
ہم لائیں گے جوئے شیر

غزل

یہاں بوئی گئی فصلیں سروں کی
اسے کہتے ہیں بستی مقبروں کی

بھروسہ ہی نہیں کافی یہاں پر
حفاظت بھی ضروری ہے گھروں کی

ہمیں بھی سیکھنا ہے اسمِ اعظم
حکومت ہے یہاں جادوگروں کی

اُٹھا کر اس لئے چلتے ہیں سر کو
ہمیں معلوم ہے قیمت سروں کی

بہت مشکوک ہے چشمِ بصیرت
یہ حالت ہوگئی دیدہ وروں کی

اگر اقبالؔ نے سچ کہہ دیا تو
بہت برسات ہو گی پتّھروں کی

غزل

بنا تیری عنایت کا نشانہ
ہے میرے قتل ہونے کا بہانہ

کوئی بھی کام کرنا مشورے سے
یہی ترکیب ہے دانشورانہ

زباں خاموش تھی لیکن برس کر
میرے اشکوں نے کہہ ڈالا فسانہ

کہاں لے جاؤں میں پرواز اپنی
اسی ڈالی پہ ہے جب آب و دانہ

ستمگر کو قفس میں رہ کے کچھ دن
سکھا دوں گا ستم سے باز آنا

یہ بات اقبالؔ کے آئی سمجھ میں
نہیں آسان غم میں مسکرانا

غزل

سانسوں میں ہے سرور جو تیرے خیال کا
رکھتا ہوں نور آنکھوں میں اسکے جمال کا

تلوار سے تو دوستوں بڑھتی ہیں نفرتیں
ہوتا نہیں جواب محبت کی ڈھال کا

دیکھا اسے تو دیکھ کے بس ہوش اُڑ گئے
وہ خود جواب بن گیا میرے سوال کا

پہنے ہوئے ہیں پیڑ یہاں سبز پیرہن
انگڑائی لے رہا ہے بدن ڈال ڈال کا

پھیلے ہوئے ہیں چاروں طرف خوشبوؤں کے غول
وقت آگیا ہے جیسے خزاں میں زوال کا

ہم بجلیوں کو لکھتے رہے تیری شوخیاں
اقبالؔ حوصلہ ہے ہمارا کمال کا

غزل

ہر بات اس کی موجبِ تحریر بن گئی
جب یاد آئی پاؤں کی زنجیر بن گئی

گردش میں بھی رہا ہوں خدا کی امان میں
ماں کی دُعا بھی ایسے میں اکسیر بن گئی

اب کیوں تمہارے غم سے محبت نہ ہو مجھے
یہ کائنات ہی میری جاگیر بن گئی

اب تجھ کو دیکھتا کہ میں دنیا کو دیکھتا
ہر شئے ہی تیرے روپ کی تصویر بن گئی

حسنِ نظر کو مل نہیں سکتی ہے دوسری
ممتاز تھی جو تاج کی تحریر بن گئی

اقبالؔ نے لکھی تھی تیرے ہجر میں غزل
سو وہ جنابِ میرؔ کی تصویر بن گئی

غزل

آئینہ ہی دکھا کر مجھے
کچھ نصیحت کیا کر مجھے

اس طرح امتحاں لے میرا
کر دے کندن تپا کر مجھے

دوست دشمن کی پہچان ہو
وہ بصیرت عطا کر مجھے

راہِ امن و اماں کے لئے
ایک روشن دیا کر مجھے

تو بھی اپنی شرافت بتا
لوٹ لے گھر بلا کر مجھے

ہر قدم پر کھرا پائے گا
دیکھ لے آزما کر مجھے

کیا خبر تھی کہ اقبالؔ وہ
اشک دے گا ہنسا کر مجھے

غزل

پلک شب کی بھاری بہت ہو گئی
کہ اختر شماری بہت ہو گئی

بہت ہو گئی سیر افلاک کی
ہوا کی سواری بہت ہو گئی

کہاں تک کرو گے جگر کو لہو
میاں، آبیاری بہت ہو گئی

نچھاور دُلارے بہت ہو گئے
وطن، جاں نثاری بہت ہو گئی

توجہ دو اقبالؔ خود کی طرف
زمانے سے یاری بہت ہو گئی

غزل

چراغِ محبت جلاؤ عزیزو
کدورت دلوں کی مٹاؤ عزیزو

جہاں تک ہو ممکن عمل نیک رکھو
برائی سے خود کو بچاؤ عزیزو

کبھی بھولے سے بھی نہ نزدیک آئے
غموں کی ہنسی یوں اڑاؤ عزیزو

بہت کھا چکے ہو فریبِ زمانہ
حقیقت سے نظریں ملاؤ عزیزو

دل و جاں سے اقبالؔ بس ہے تمہارا
اسے اس طرح نہ بھلاؤ عزیزو

غزل

آئینے کی آئینہ گری یاد رہیگی
دریا کو مری تشنہ لبی یاد رہیگی

میں بھول نہ پاؤں گا تیری پہلی نظر کو
سنگ کاٹتی ہیرے کی کنی یاد رہیگی

"دل صبح کے تارے کی طرح ڈوب رہا تھا"
تم سے وہ بچھڑنے کی گھڑی یاد رہیگی

جس شہر کے پھولوں نے مجھے زخم دیے ہیں
اس شہر کی اک ایک گلی یاد رہیگی

اقبآل بھلائے سے نہ بھولے گا زمانہ
دیوانے کی آشفتہ سری یاد رہیگی

غزل

دسترس میں ہوں اے ہواؤ، مجھے
تم جلاؤ کہ اب بجھاؤ مجھے

میں بھی ہوں اس کی دید کا طالب
اس کے کوچے میں لیکے جاؤ مجھے

تیرگی میں بھٹک نہ جاؤں کہیں
جگنوؤ! راستہ دکھاؤ مجھے

التجا ہے سخن شناسوں سے
مصرعۂ تر ہوں میں اٹھاؤ مجھے

میں نے چاہا ہے ٹوٹ کر دل سے
یوں نظر سے نہ تم گراؤ مجھے

میں بھی اقبالؔ کا ترانہ ہوں
سازِ ہستی پہ گنگناؤ مجھے

غزل

جب سے سوزِ غم سے وابستہ ہوا
معتبر میرا لب و لہجہ ہوا

تم کو نہ آیا فنِ شیشہ گری
دل میرے پہلو میں ہے ٹوٹا ہوا

پھر نہ لا پایا کوئی تابِ نظر
آج پھر آئینہ شرمندہ ہوا

بجھ گیا آخر چراغِ شام بھی
گھر نہ آیا صبح کا بھولا ہوا

رات ہے جنگل ہے اور اقبالؔ ہے
پنچھی اپنی ڈار سے بچھڑا ہوا

گرنے نہیں دیا ہے علم کو غلام نے
سینہ سپر ہے آج بھی باطل کے سامنے

حالاتِ زمانہ کی چیرہ دستیوں اور دنیا کی نیرنگیوں کا سامنا اقبال گرامی نے مسکراتے ہوئے کیا ہے اور گندم نما جو فروشوں پر نہایت لطیف پیرائے میں طنز کیے ہیں یوں جیسے کہ نشتر زنی کے بعد ٹکچر آیوڈین کے استعمال سے جلن پیدا کرنے کی جگہ کافوری مرہم لگا کر ٹھنڈک کا احساس دلایا گیا ہو ملاحظہ کیجیئے انکے یہ اشعار۔

دوستی کہیے کہ اس کو دشمنی
چھاؤں سے رشتہ ہے گہرا دھوپ کا

لبوں پر وہ صداقت چاہتا ہے
مگر سر بھی سلامت چاہتا ہے

چھینٹا پڑتے ہی پہلی بارش کا
مسئلہ پھر اُٹھا رہائش کا

قبیلے والو ! رت ہے ہجرتوں کی
سفر کے واسطے تیار رہنا

ہر چند کہ وہ اشاریت اور رمزیت کے قائل ہے پھر بھی بعض اوقات انہیں حرف برہنہ کے استعمال سے بھی گریز نہیں ہوتا کیونکہ کبھی شعر کا موضوع ویسی ہی کھلی ڈھولی گفتگو کا متقاضی ہوتا ہے۔ بہ ایں ہمہ ایسے مقامات پر بھی کوئی ادبی جھماکا یا زبان کا چٹخارہ انکے شعروں میں نظر آتا ہے۔

غزل

دیوی وردان چاہتا ہے
بچّہ کلیان چاہتا ہے

برگد کے سائے میں بیٹھ کر
گوتم نروان چاہتا ہے

راج پاٹ چاہیئے کنور کو
طوطے کی جان چاہتا ہے

دیمک لگی ہوئی پستک سے
دنیا کا گیان چاہتا ہے

آؤ مست پون کے جھونکو
ہنسا گلدان چاہتا ہے

جگنو روشن ہیں پلکوں پر
دُکھ بھی مُسکان چاہتا ہے

درپن سے اقبالؔ گرامی
اپنی پہچان چاہتا ہے

غزل

اک رمق تھی خون کی اور کیا سمجھ بیٹھے تھے ہم
یعنی قطرہ تھا جسے دریا سمجھ بیٹھے تھے ہم

پیٹھ میں خنجر لگا تب جا کے اندازہ ہوا
بھول سے اک غیر کو اپنا سمجھ بیٹھے تھے ہم

گھر سے نکلے تو ملے ہیں غم کے مارے ہر طرف
ورنہ خود کو بس یک و تنہا سمجھ بیٹھے تھے ہم

اپنا سادہ پن تھا کہ تجھ کو اے شہرِ آرزو
سیدھے سادے گاؤں کا رستہ سمجھ بیٹھے تھے ہم

بند مٹھی میں میری چھالے تھے اور کچھ بھی نہ تھا
اور اے اقبالؔ اک دنیا سمجھ بیٹھے تھے ہم

غزل

دنیا کو کرنے تسخیر
نکل پڑے تن بہ تقدیر

تیرے بس کی بات نہیں
ہم لائیں گے جوئے شیر

لپٹ رہی ہے قدموں سے
خاکِ وطن میں ہے تاثیر

ایک دُعا کی چٹکی سے
مٹّی بن جائے اکسیر

چھوٹا سا اک گھر آنگن
میرے خوابوں کی تعبیر

ایڑی رگڑو تم اقبالؔ
پھوٹے گی صحرا میں جھیر

غزل

دریا نے دی تجھے سلامی
خوش ہو جائے تشنہ کامی

چمک دمک سے دور بہت ہے
اپنا گوشۂ گمنامی

زد میں نہ آجائے پتھر کی
شیشے کی نازک اندامی

دنیا نے سوغات میں دی ہے
تندو تیزی، تلخ کلامی

آج اسے جی بھر کے سن لو
موڈ میں ہے اقبالؔ گرامی

غزل

پارساؤں کو تو آئینہ دکھا کر مارو
اور کم ظرف کو اوقات بتا کر مارو

کاٹنا ہی ہے جو لوہے سے تو کاٹو لوہا
سانپ کو دودھ نہیں زہر پلا کر مارو

تم کوئی غیر نہیں ہو میرے ماں جائے ہو
میرے بھائی مجھے سینے سے لگا کر مارو

بزدلوں کی طرح مت وار کرو پیچھے سے
مارنا ہی ہے تو پھر سامنے آ کر مارو

اس کا شیوہ ہی ہے انگشت نمائی اقبالؔ
کاٹ دو ہاتھ سڑک پر اسے لا کر مارو

غزل

رکھ کے اے دنیا والے تو، بھول گیا ہے سینے میں
پل پل تڑپاتی ہے یہ جوایک بلا ہے سینے میں

آج کسی نے یاد کیا ہے شدّت سے دیوانے کو
اور دنوں کی بہ نسبت کچھ درد سوا ہے سینے میں

دھوپ کی ناگر بیل بدن کو چاروں اور سے جکڑے ہے
سر پہ سورج سایہ فگن ہے چاند اُگا ہے سینے میں

آج ہوئی ہے چشم عنایت، آج ہوئی ہے نظر کرم
پانی برسا ہے صحرا میں پھول کھلا ہے سینے میں

ہونہ ہو اقبالؔ گرامی، شیشہ یا پھر دل اپنا
ایسا لگتا ہے کچھ نہ کچھ ٹوٹ گیا ہے سینے میں

غزل

ٹکرا کے سر ہی پھوڑے گا پتّھر سے آدمی
کب تک لڑے گا اپنے مقدر سے آدمی

اپنی زمیں کے دفن خزانے کو چھوڑ کر
مٹّی اُٹھا کے لایا فلک پر سے آدمی

اپنے لہو پہ اس کو بھروسا نہیں رہا
ڈرتا ہے آج بھائی، برادر سے آدمی

دنیا کی فکر تو کبھی عقبیٰ کی فکر میں
تقسیم ہو گیا ہے برابر سے آدمی

تائیدِ حق میں جان کی پرواہ نہ کرے
اقبالؔ کب ملینگے مظفّر سے آدمی

غزل

جب اُتر جائے گا ملمع دھوپ کا
دیکھنا اس وقت چہرہ دھوپ کا

تھی مشابہ اس کی صورت چاند سے
بن گئی ہے آج حصّہ دھوپ کا

دوستی کہیئے کہ اس کو دشمنی
چھاؤں کا رشتہ ہے گہرا دھوپ کا

میرے گھر آئیگی کیوں بادِ صبا
میرے گھر میں ہے بسیرا دھوپ کا

لائی ہے اقبالؔ صبح نو، پیام
پھر سفر میں ہے پرندہ دھوپ کا

غزل

دعوے سا رے باطل ٹھہرے
قا تل آ خر قا تل ٹھہرے

دیوا نہ پھر دیوا نہ ہے
ایک جگہ نہ مشکل ٹھہرے

نکلے حا صل کا لا حا صل
دنیا بے آ ب و گِل ٹھہرے

تیرے روپ کی دھوپ ہے آگے
چاند ستا رے جھِل مِل ٹھہر ے

شعر میر ے ا قبالؔ گرامی
مبہم ٹھہر ے مُہمل ٹھہر ے

غزل

سر پہ جب آفتاب ہوتا ہے
تب پسینہ گلاب ہوتا ہے

م

دکھ مصیبت میں کام آنا ہی
عین کارِ سواب ہوتا ہے

کربِ تنہائی سے بچا خود کو
لمحہ لمحہ عذاب ہوتا ہے

ٹوٹ جاتا ہے آنکھ کھلتے ہی
خواب تو دوست خواب ہوتا ہے

حسن پھر حسن ہے میاں اقبالؔ
آپ اپنا جواب ہوتا ہے

مثلاً

منسلک ہو کے رہ گئے اقبال
اردو اخبار چائے خانے سے

گھات میں بیٹھے ہیں کچھ لوگ شکاری کی طرح
ساتھیو ملک کو مضبوط بنائے رکھیے

میرے بچّو! ہمیشہ سچ کی خاطر
بدی سے برسرِ پیکار رہنا

رستے کی دیوار کئی ہیں
اپنے رشتے دار کئی ہیں

دوگز زمین کو نہ ترس جاؤ تم کہیں
بر بادایسے ورثہء اجد ادمت کرو

کام رکھنے لگے ہو مطلب سے
یہ ہنر تم کو آ گیا کب سے

مندرجہ ذیل اشعار کے تناظر میں کہا جاسکتا ہے کہ اقبال گرامی کو ترکیب سازی کا ہنر آتا ہے اور نت نئی تشبیہات واستعارات کے استعمال کی قدرت بھی اُنہیں حاصل ہے۔

غزل

گرنے نہیں دیا ہے علم کو غلام نے
سینہ سپر ہے آج بھی باطل کے سامنے

احسان مند ہوں میں تمہارا اے گردشو
کُچھ قہقہے، بڑھے ہیں میرا ہاتھ تھامنے

محفل امیرِ شہر کی اجڑی سحر کے وقت
مسجد میں جب نماز شروع کی امام نے

پانی میں رہ کے بیر مگر مچھ سے کر لیا
مارا ہے مینڈکی کو عجب ہی زکام نے

اقبالؔ میرے نام کو توقیر بخش دی
بے ننگ و نام کہہ کے کسی نیک نام نے

غزل

لبوں پر وہ صداقت چاہتا ہے
مگر سر بھی سلامت چاہتا ہے

زیاں برداشت ہے کس کو لہو کا
پسینہ اپنی اُجرت چا ہتا ہے

کوئی دیکھے تو اس کی سادہ لوحی
وہ زخموں سے جراحت چاہتا ہے

زمانہ ڈھونڈ تا ہے راحتِ جاں
میرا غم دل کی دولت چاہتا ہے

تمہاری دید کا طالب ہے اقبالؔ
قیامت ہے قیامت چاہتا ہے

غزل

ہو جائے لہو ہوتا ہے تحلیل غزل میں
ہوتی ہے میری ذات کی تکمیل غزل میں

معلوم میرا روئے سخن کس کی طرف ہے
دیتا ہوں کسے چاند کی تمثیل غزل میں

اشعار میرے واسطے پردہ ہے سخن کا
لکھتا ہوں میں حالات کی تفصیل غزل میں

ملتی ہے غذا روح کو اور قلب کو تسکین
کرتا ہوں میں جذبات کی ترسیل غزل میں

چھوڑا نہیں میں نے کبھی تہذیب کا دامن
دیتا نہیں لہجے کو کبھی ڈھیل غزل میں

اقبالؔ بصد شوق اُسے تُم بھی سنو گے
جب پیش کرے گا کوئی تاویل غزل میں

غزل

نگاہوں کو تابِ نظارا نہیں ہے
حقیقت ہے یہ استعارا نہیں ہے

بہ ظاہر نہیں چاہتا نام میں بھی
بہ باطن اُسے بھی گوارا نہیں ہے

لہو کے علاوہ رہِ علم و فن میں
کہاں سے کہیں تک خسارا نہیں ہے

اُسے چاہیئے رُخ بدل لے یہیں سے
جِسے غم اُٹھانے کا یارا نہیں ہے

نہیں ہے یہ اقبالؔ جاگیر کوئی
ادب پر کسی کا اجارا نہیں ہے

غزل

ہم اس نئی صدی میں نئی بات کریں گے
گذرے ہوئے دنوں سے ملاقات کریں گے

اُجلے، سہانے، چہروں سے امّید نہ رکھو
یہ دھوپ کے بادل ہیں، کیا برسات کریں گے

تصویرِ گلستاں کی بدل دیں گے کسی دن
ہم وقت کے ولی ہیں، کرامات کریں گے

کچھ لوگ تو مسجد میں پکاریں گے خدا کو
کچھ لوگ میکدے میں مُناجات کریں گے

اک موڑ دے کے جشنِ بہاراں کو چمن میں
کانٹوں سے ہم تسلئی جذبات کریں گے

محفل میں کوئی جانِ غزل آئے تو اقبالؔ
ہم پیش اُسے شعروں کی سوغات کریں گے

غزل

چھینٹا آتے ہی پہلی بارش کا
مسئلہ پھر اُٹھا رہائش کا

استدعا ہے نہ جائیے بازار
برہنہ جسم لے کے خواہش کا

شوقِ صحرا نوردی کب تھا مجھے
یہ تو تحفہ ہے پائے لغزش کا

لاکھ دیتے رہو اسے پانی
پھل نہیں دیگا پیڑ رنجش کا

جس کو کہتے ہو تم انا اقبالؔ
توڑ ممکن نہیں ہے اس وِش کا

غزل

ہمارے واسطے دیوار رہنا
شجر ہو تم تو سایہ دار رہنا

سمندر کے محافظ اژدھے ہیں
ضروری ہے عصا بردار رہنا

میرے بچو ! ہمیشہ سچ کی خاطر
بدی سے برسرِ پیکار رہنا

قبیلے والوں رُت ہے ہجرتوں کی
سفر کے واسطے تیار رہنا

خدا تیرے جہانِ بے نمک میں
بڑا مشکل ہے خوش اطوار رہنا

غزل

اسکی جفا ہے میری وفا کے خلاف میں
اک بدّعا ہے جیسے دعا کے خلاف میں

ہم المیہ نصیبوں کا قصہ ہے عجب
مرجھا رہے ہیں بادِ صبا کے خلاف میں

ماحول سازگار نہیں ہے لہو تو ہے
جلتے رہے چراغ ہوا کے خلاف میں

نیکی کروں میں اور وہ دریا میں ڈال دے
یوں خرچ ہو رہا ہے جما کے خلاف میں

اقبالؔ کیا بتاؤں میرا ہم نوا ہے کون
کس کی صدا ہے میری صدا کے خلاف میں

غزل

ہار پاتا نہیں سیانے سے
یوں ہے نالاں نیا پرانے سے

پھول کیسے کھلیں کہ ہے انکار
اب چمن میں بہار آنے سے

کوئی دن تھے کوئی زمانہ تھا
خواب آنکھوں میں تھے سہانے سے

اپنی تقدیر سے شکایت ہے
کوئی شکوہ نہیں زمانے سے

اُنسیت ہے بہت میرے بھائی
مفلسی کو میرے گھرانے سے

کوششیں کر کے دیکھ لے باطل
سچ دبے گا نہیں دبانے سے

منسلک ہو کے رہ گئے اقبالؔ
اردو اخبار چائے خانے سے

غزل

شبِ غم کا سہارا بھی نہیں ہے
فلک پہ اک ستارا بھی نہیں ہے

مقدّر ڈوبنے والے کا دیکھو
سمندر نے اُبھارا بھی نہیں ہے

تمنّا ہے کسے جینے کی لیکن
سوا جینے کے چارا بھی نہیں ہے

تجلّی دیکھنے کی آرزو ہے
مگر تابِ نظارا بھی نہیں ہے

نشہ ہے عشق وہ اقبالؔ جس کا
زمانے میں اُتارا بھی نہیں ہے